# عقیدۂ جوش



ترتیب و پیشکش

ماجد اور زوار

# عقیدۂ جوشؔ

ترتیب و پیشکش

## ماجد اور زوّار

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | عقیدۂ جوشؔ |
| کتاب میں کیا ہے | : | عقیدۂ جوشؔ، کشکول ماجد حصہ دوازدہم میں جناب مولانا طاہر جروی صاحب قبلہ کی مجلس کا اقتباس جناب عبدالکریم مشتاق صاحب کی کتاب ''ادھر تم ادھر ہم'' کی چند سطریں، حضرت امام حسینؑ اور بیعت یزید علامہ عرفان حیدر اعلی اللہ مامہ کی مجلس کا اقتباس<br>بٹیر بازی اور پتنگ بازی میں پوری جنگ<br>احسانات کے تذکرے |
| بہ اہتمام | : | سید افضل علی گوپالپوری |
| سال اشاعت | : | مئی ۲۰۱۰ء |
| تعداد | : | ۵۰۰ |
| کمپوزنگ | : | رانا عمران نیّر فون:0323-3378153 |
| ناشر | : | سید غلام اکبر |
| ہدیہ | : | ایک سورہ فاتحہ برائے بلندیٔ درجات شاعر انقلاب جناب جوشؔ ملیح آبادی |

# انتساب

والد ماجد نواب سید علی نواب خاں صاحب مرحوم

و

عم محترم ڈاکٹر نواب سید خورشید نواب خاں صاحب مرحوم کے نام

جن کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی اور جن کی تعلیم و تربیت سے جناب قیصر کی غلامی کی سعادت حاصل ہوئی۔

و

برادر شفیق جناب سید شاہد حسین صاحب مرحوم کے نام

جن کے پہلو میں حقیقی بھائی کا دل تھا جس کے دل میں چھوٹے بھائی ماجد کی محبت کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے۔

و

رفیقۂ حیات شکیلہ مرحومہ بنت سید حسن عسکری صاحب مرحوم کے نام

جو بہ نص قرآن میرے لئے لباس کے مانند تھی اور

میں کیا کہوں کہ کیا تھی تو اور تیری عنایت
اک نخل مل گیا تھا صحرائے زندگی میں

(جمیل مظہری)

سید شاکر حسین مرحوم کے نام

جن کا خلوص، جن کا جذبہ بھائی کے روپ میں اپنوں نے دیکھا جو شاہ کربلا ٹرسٹ رضویہ کے بانیوں میں سے تھے اور پروین شاکر ایم اے انگلش، سی ایس ایس ممبر بورڈ آف ریونیو اور عالمی شہرت یافتہ معروف شاعرہ کے والد ماجد تھے۔

# اظہارِ تشکر

ماجد بستر علالت پر اطباء کی اس پابندی کے ساتھ تھا کہ لکھنے پڑھنے پر پابندی تھی اس کی وجہ سر کی چوٹ تھی اٹھارہ ٹانکے لگے تھے اور زوّار صاحب شام، کربلا، نجف اشرف، مشہدِ مقدس کی زیارت کے لئے گئے ہوئے تھے کتاب کی کتابت ہو چکی تھی ایک غائر نظر سے کتاب کو دیکھنے کے لئے علامہ ارتضٰی عباس نقوی صاحب قبلہ کو زحمت دی گئی موصوف نے قیمتی وقت نکال کر ایک نظر ڈالی جس کے ہم دونوں انتہائی شکر گزار ہیں۔

ماجد اور زوّار

# فہرست


اظہار تشکر ________ ۴

ایک تجویز ________ ۷

شاعر انقلاب جوشؔ ملیح آبادی کی عظمت ____ ماجد عفی عنہ ۹

جوشؔ ڈاکٹر نعیم تقوی کی نظر میں ____ ماجد عفی عنہ ۱۲

جوشؔ کی انفرادیت ____ پروفیسر ڈاکٹر سید منظر حسین کاظمی ۱۴

انجام جوشؔ ____ محشرؔ لکھنوی ۳۳

جناب جوشؔ میری نگاہ میں ____ ڈاکٹر محمد عباس (ایم بی بی ایس) ۳۷

جوشؔ، عالمی ادب کے تناظر میں ____ معصوم رضا ۴۴

شاعرِ انقلاب جوشؔ ملیح آبادی ____ اشرف عباس ۵۱

جوشؔ کی ایک مجلس کا چشم دید حال ____ حمید حسین جونپوری ۵۴

عزادارِ حسینؑ حضرت جوشؔ ملیح آبادی ____ سید زوار حسین نقوی ۵۶

جوشؔ بارگاہِ امام حسینؑ میں ____ علامہ سید ارتضیٰ عباس نقوی ۵۸

مزاحمتی شاعری میں جوشؔ کا مقام ____ سید قمر عباس ۶۹

جوشؔ ایک عظیم شاعر ____ اقبال حسین۔ ایم اے ۸۰

شہرۂ آفاق شاعر جوشؔ ملیح آبادی ____ سید کاظم رضا۔ بی ایس سی ۸۲

جناب جوشؔ اور جذبۂ عزاداری سید الشہداء _ یادوں کی برات سے اقتباس ۸۳

## حصہ نظم


مرثیہ جوشؔ ________ نسیم امروہوی ۱۳۲

مرثیہ جوشؔ ________ کنور مہندر سنگھ بیدی ۱۳۹

جوشؔ کی یاد ________ احسان دانشؔ ۱۴۲


# کشکولِ ماجدؔ

## (حصہ دوازدھم)


محترم جناب مولانا طاہر جروالی صاحب قبلہ کی مجلس کا اقتباس ۱۴۴

محترم جناب عبدالکریم مشاق کی کتاب ''ادھر تم ادھر ہم'' ۱۴۵

حضرت امام حسینؑ اور بیعت یزید، علامہ عرفان حیدر عابدی مرحوم ۱۴۶

پتنگ بازی اور بٹیر بازی ۱۴۷

احسانات کے تذکرے ۱۵۰

عبدالرؤف سومرو ۱۵۱

جناب محمود احمد جعفری مرحوم ۱۵۲

جناب سید محمد کاظم ڈپٹی ڈائریکٹر لیبر کراچی ۱۵۳

جناب سردار اختر بلوچ ۱۵۴

جناب محترم حسن صاحب ۱۵۵

سید بشیر رضا زاد لطفہ، اور سید طاہر رضا صاحب مرحوم ۱۵۶

جناب سید عمران علی خان ۱۵۸

نظم ''تلاش'' جوشؔ ملیح آبادی ۱۶۰

# ایک تجویز

جناب سید زوار حسین نقوی بی اے فوڈ انسپکٹر تقریباً روزانہ غریب کدہ پر تشریف لاتے ہیں ان کی شعر و شاعری، مذہبیات و قومیات پر گہری نظر ہے انتہائی ذہین ہیں کراچی کے صف اوّل کے ذاکرین و خطیب سے گہرے تعلقات ہیں خطیب و ذاکرین حضرات ان کی خوبیوں سے خوب واقف ہیں۔ کچھ عرصہ تک شاہ کربلا ٹرسٹ رضویہ سوسائٹی میں مجالس و محافل کمیٹی کے ممبر رہے۔

ایک روز دوران گفتگو میں نے کہا کہ سرزمین پاک پر ناقدروان جوشؔ کا کہنا ہے کہ جوشؔ گھن گرج کا شاعر ہے جوشؔ کے یہاں فکری بلندی اور گہرائی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں جوشؔ کے عقید تمندوں کے لئے تکلیف دہ ہیں۔ ہم لوگ اپنی کم علمی بے بضاعتی کے باوجود جوشؔ کے معتقدین اور پرستاروں میں ہیں میری تجویز ہے کہ اپنی کم علمی، جہالت اور تہیدستی کے بعد بھی اپنی عقیدت کا اظہار تحریر کے ذریعہ کریں یعنی ایک کتاب لکھیں جس سے تسکین قلب و دماغ ہو اور ناقدروان جوشؔ کیلئے ایک لطیف دستک۔ جناب زوار صاحب نے میری تجویز کی پُرزور تائید کی ہم دونوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق جدوجہد شروع کردی بحمداللہ ہم لوگ اپنی سعی و کاوش اور جدوجہد میں کامیاب ہوگئے اور کتاب چھپ گئی اب یہ فیصلہ قارئین پر ہے کہ ہم لوگ کہاں تک کامیاب ہوئے۔ کتاب ملاحظہ فرمائیں اور اپنی آراء سے مطلع کریں ہم شکرگزار ہونگے۔

ماجد عفی عنہ



اردو کے ممتاز شاعر جوش ملیح آبادی حسینی ایرانیان کھارادر میں اپنا تازہ مرثیہ پیش کر رہے ہیں۔

(روزنامہ جنگ ۱۳ جون ۱۹۶۷ء)

عالم و فاضل محقق دانشور جناب ضیاء الحسن موسوی صاحب قبلہ کے حقیقی بھانجے جناب طہٰ حسین کاظمی صاحب نے یہ تصویر عنایت کی ہے ان کے تعاون کا شکر گزار ہوں۔

# شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی کی عظمت

از قلم ماجد عفی عنہ

جناب جوشؔ ملیح آبادی سارے عالم میں پوری دنیا میں واحد انسان ہیں جنھوں نے اپنے تمام گناہان کبیرہ اور صغیرہ کی داستانیں اپنے قلم سے رقم کی ہیں ہر انسان اپنی بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہ دنیا کے بیباک جراتمند انسان ہیں جنھوں نے دنیا کے طعن و تشنیع کی کوئی پرواہ نہ کی اور وہ سب کچھ لکھ دیا جس کو پڑھ کر بعض صاحبان فکر و نظر اور ارباب علم و ادب نے کہا کہ "یادوں کی برات" شرفاء کے گھروں میں نہیں ہونی چاہیے بعض نے یادوں کی برات کو اپنے ہاتھوں سے جلا کر اپنی بیزاری کا اعلان کیا ان تمام باتوں کے بعد بھی جناب جوشؔ کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں میں کسی کسی کو یہ مقام ارفع حاصل ہوتا ہے جو جناب جوشؔ کو حاصل ہوا۔ اس کرہ ارض پر کائناتی مسائل پر گہری نظر رکھنے والا نہ رہا اصطلاحات کے موجد، لسانی قواعد ادب و شاعری کے شہنشاہ کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ جودت پناہ نقاد نگاہ شاعر عظیم و جلیل سے دنیا خالی ہوگئی اس پر جتنا کف افسوس ملیں کم ہے۔ مشہور ہے کہ کچھ علماء ناصر الملت مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فرمانے لگے حکیم صاحب عالم نے غضب کر دیا ایک بادہ خوار کو غفراں مابؒ کے امام باڑہ میں منبر پر بٹھا کر مسدس پڑھوایا دو تین دنوں کے بعد ناصر الملتؒ نے جناب جوشؔ کو بلوا بھیجا اور ان علماء کرام کو بھی زحمت دی علماء کرام کی موجودگی میں جناب جوشؔ تشریف لائے تو مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ نے جوشؔ کو اپنے مصلے پر بٹھایا اور "حسینؑ اور انقلاب" مسدس پڑھنے کی فرمائش کی۔ جناب جوشؔ نے بڑے جوش و خروش اور والہانہ انداز میں مسدس پڑھا۔ ناصر الملتؒ نے مسدس کی بہت تعریف کی اور ان شاکی علماء کو مخاطب کر کے فرمایا قرآن کا قطعی حکم ہے "نماز کے قریب نہ جاؤ جب حالت نشہ میں ہو"

جب حالت نشہ میں نہ ہو تو نماز پڑھو اور منبر پر بھی بیٹھ سکتے ہو علماء نے سر کو جھکا لیا اور جناب جوشؔ نے جانے کی اجازت لی۔ عرب کے مشہور شاعر اہلبیتؑ دعبل خزاعی اور اسماعیل حمیری کا واقعہ مشہور ہے۔ میرے قلم اور کاغذ میں گنجائش نہیں کہ تفصیل میں جاؤں۔ میں نے صرف اشارہ کیا۔ جناب جوشؔ مودت ومحبت اہلبیتِ میں سرشار اور معرفت اہلبیتؑ میں غرق ہو کر فرماتے ہیں۔

نوعِ انساں کو دیا کس فلسفی نے یہ پیام  مردِ غازی کا کفن ہے خلعت عمر دوام
نصبکس نے کردیئے مقتل میں حقوں کے خیام  جانتے ہو اس دبیر ذہن انسانی کا نام
جو انوکھی فکر تھا جو اک نیا پیغام تھا
اس حکیم نکتہ پرور کا محمدؐ نام تھا
اے محمدؐ اے سوار توسنِ وقت رواں  اے محمدؐ اے طبیب فطرتِ نباضِ جاں
اے محمدؐ اے فقیرِ نفس و نقادِ جہاں  موت کو تو نے وہ بخشی آب وتاب جاوداں
زندگانی کے پجاری موت پر مرنے لگے
لوگ پیغام اجل کی آرزو کرنے لگے
خاک کے ذرات کو تو نے ثریا کر دیا  آگ کو پانی کیا پانی کو صہبا کر دیا
موت سی کالی بلا کو رشکِ سلمیٰ کر دیا  آخری ہچکی کو گل بانگِ مسیحاؑ کر دیا
سر سے خوف نیستی کی یوں بلائیں ٹال دیں
آدمی نے موت کی گردن میں بانہیں ڈال دیں
اہل دل سے کہہ رہی ہے یہ مورخ کی زباں  بعدِ پیغمبرؐ ہوئی تھیں کس طرح سرگوشیاں
چھا گیا تھا ہر طرف کس طرح دولت کا دھواں  کیا دبے پاؤں چلے تھے سازشوں کے کارواں
اب بھی ان امواج میں ڈوبی ہوئی ہے کربلا
ہاں ان ہی کی ایک تاریخی کڑی ہے کربلا
کربلا میں امرحق کی برتری کی جنگ تھی  طاقتِ نانِ شعیر حیدری سے جنگ تھی
عظمتِ دیرینۂ پیغمبری سے جنگ تھی  جس کا قرآں میں ہے ذکر اس دوری سے جنگ تھی

کب نفاق ارباب حق سے برسر پیکار تھا
وہ خدا پر آخری لات و ہبل کا وار تھا

کفر نے کاٹا نہیں تھا مصحف ناطق کا سر    اصل میں قرآن وہ پھینکا گیا تھا پھاڑ کر
حملہ آور ابن حیدرؑ پر نہ تھے ارباب شر    ضرب تھی وہ اصل میں اسلام کی بنیاد پر

چند جاں بازوں کی جانب رخ نہ تھا آفات کا
دن پہ وہ دراصل دھاوا تھا اندھیری رات کا

۱۹۴۷ء میں دہلی میں قتل عام سے متاثر ہو کر فرماتے ہیں۔

خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہے میں نے دہلی میں
ہجوم کفر سے جب اہل حق ہوئے بے چین
کسی کا نام نہ اس مرحلہ پہ یاد آیا
علی علی کی صدائیں تھیں یا حسین حسینؑ

غربت و امارت کے لئے فرماتے ہیں

بے زروں کی ڈوبتی آنکھوں میں فاقوں کے نقوش
اہل دولت کی جبینوں پر شقاوت کے نشاں

انسان کو ایک سبق دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جوہر ذاتی کا جب افسردہ ہوتا ہے وقار
کفر سے بدتر ہے اس موقعہ پر وضع انکسار

جناب جوشؔ کی عمیق نگاہ حدیث پر بھی ہے فرماتے ہیں۔

ناشناسان ادب بھولے ہوئے ہوں جب شعور
ان مواقع پر عبادت کے برابر ہے غرور

جناب جوشؔ کا یہ شعر زباں زد خاص و عام ہے فرماتے ہیں

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

تمہیدی سطریں بہت طویل ہوگئیں۔ معذرت خواہ ہوں۔ قارئین سے بصد ادب گزارش ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنی آراء سے ضرور مطلع فرمائیں۔

ماجد عفی عنہ

## جوشؔ ڈاکٹر نعیم تقوی کی نظر میں

دنیائے شعروادب میں پروفیسر ڈاکٹر نعیم تقوی صاحب محتاج تعارف نہیں۔ علم عروض پر حاوی تھے آپ کی منقبتی اور مسجع تحریر قابل صد تحسین۔ علمی و ادبی صحبتوں میں نمایاں حیثیت رکھتی تھی سندھی زبان پر عبور تھا سندھی زبان کے مقابلہ میں پہلا انعام آپ کو ملا تھا غرض بڑی خوبیاں تھیں مجھ سے بڑی شفقت سے پیش آتے تھے اکثر و بیشتر غریب خانہ پر تشریف لاتے تھے اپنی کتابیں تنقید و تجزیہ، شنید و تناظر، محراب عقیدت عنایت فرما کر عزت بخشی۔ جناب جوشؔ کے لئے آپ کی چند سطریں ملاحظہ فرمائیں۔

ماجد عفی عنہ

............................................

پروفیسر ڈاکٹر نعیم تقوی صاحب فرماتے ہیں کہ جوشؔ ملیح آبادی ترقی پسند تحریک سے پہلے نباض وقت کی حیثیت سے عظمت بیکراں حاصل کر چکے تھے ان کی اپنی راہ تھی انسانیت کے حوالہ سے کوئی شاعر ان کا ہمسر نہیں۔ جوش ہر صدی میں اپنی منفرد صدا کے سبب میر تقی میرؔ غالبؔ اور انیسؔ کی طرح زندہ و تابندہ رہیگا جوش کا اپنا ایک مزاج تھا جو انکی شاعری میں منعکس رہا ترقی پسند تحریک سے قبل ان کا انفرادی لب ولہجہ ناقابل فراموش ہے وہ کسی اجتماعی تحریک یا خاص سیاسی پلیٹ فارم کی بیساکھیوں سے اس مقام پر نہیں پہنچے بلکہ یہ صرف ان کا جوہر ذاتی تھا جس انداز کے وہ موجد تھے وہ انداز ان پر ختم ہوگیا جوں جوں وقت گزرتا جائیگا جوشؔ شناسی کے اثار مستحکم ہوتے جائینگے غالبؔ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جوشؔ کا شاعرانہ دبدبا اور طمطراق لفظی و معنوی حیثیتوں سے یکساں ہے بحیثیت شاعر انقلاب انہوں نے اپنے افکار سے وہ درخشندگی پائی ہے جس سے ہر صدی میں نئی روشنی پیدا ہوتی رہے گی یعنی آنے والی

نسلیں اس آفتاب شاعری سے مسلسل فیضیاب ہوتی رہینگی۔ پروفیسر ڈاکٹر نعیم تقوی صاحب کی نگاہ سے جوش کو دیکھئے ناقدر دان جوش کچھ تو انصاف سے کام لیں قدر دان جوش کی فہرست بڑی طولانی ہے دامن قرطاس میں گنجائش نہیں صرف چند ناموں پر اکتفا کرتا ہوں جناب سید ہاشم، جناب ڈاکٹر محمد علی صدیقی، جناب خورشید علی خان جنھوں نے "ہمارے جوش صاحب" کی کتاب لکھی ہے جناب اختر پیامی ایڈیٹر روزنامہ ڈان جناب رفیق جابر صاحب جناب حسین انجم صاحب جناب شاہد حسین حسین آبادی جناب فضل علی جناب ڈاکٹر سید محمد عباس ریسرچ اسکالر قمر عباس جناب احسان دانش، جناب فراق گورکھپوری، ناقدر دان جوش کو کون سمجھائے جہاں تعصب کی عینک آنکھوں پر ہو جہاں دل میں بغض و کدروت اپنا پنجہ گاڑ چکی ہو جہاں عقل وخرد پر جذبات قبیحہ مسلط ہوں وہاں ساری کوششیں بے سود ہوتی ہیں۔

# جوشؔ کی انفرادیت

پروفیسر ڈاکٹر سید منظر حسین کاظمی

شبیر حسن خاں جوشؔ کی داستانِ حیات باذوق اور ذی شعور انسان کی سرگزشت ہے۔ ان کی شخصیت نکھارنے میں قدیم وجدید رنگوں کی وہ آمیزش ہے جسے دورِ جدید اور مستقبل کا مورخ اپنے کلک قلم سے اہمیت دیتا رہے گا۔ ان کی شاعری ونثر نگاری، ہمارے ادب میں منفرد مقام کی اہل ہے اور ان کے فن کی گھٹا ہمیشہ چھائی رہے گی۔ افسوس تو یہ ہے کہ جوشؔ پر تحقیقی منصب اب تک ادا نہیں کیا گیا۔ اس وقت تو مجھے ماجد حسین صاحب نے مختصر گفتگو کرنے کی اجازت دی ہے لیکن بشرط زندگی جوشؔ کی مکمل زندگی اور شاعری کا تفصیلی جائزہ ہدیہ ناظرین کروں گا۔

سر دست ہمارا واسطہ اس سرکش زمانہ سے ہے جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا لیکن جوشؔ کے جمالِ فن کے سامنے میں دیکھتا ہوں کہ اس کا سارا جلال بھی ماند پڑ جاتا ہے اور شاعری زمانہ کے بہاؤ میں بہتی جارہی ہیں لیکن جوش کے کلام کی شگفتگی پر کوئی اثر نہ ڈال سکیں۔ ان کی شاعری میں ذوقِ جمال اور حسنِ ترتیب نے نہ صرف منفی تقاضے پورے کئے ہیں بلکہ وہ سماجی عوامل کے ساتھ ہم رنگ ہوگئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جوشؔ فطری طور پر بہت ذہین انسان تھے اور جذباتِ انسانی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو ان کی دسترس سے باہر رہا ہو۔ ان کا شاعرانہ ادراک مستقبل کی شاعری پر بھی اپنا خزانہ لٹاتا رہے گا۔

یوں تو اردو کی اقلیمِ سخن میں بے شمار شاعر ہیں لیکن ولیؔ سے لے کر فیضؔ کی شاعری تک جو شعراء اسوۂ قرار پائے ان میں ولیؔ، میرؔ، سوداؔ، میر حسنؔ، غالبؔ، ذوقؔ، مصحفیؔ، انشاؔ، آتشؔ، ناسخؔ، انیسؔ، دبیرؔ، داغؔ، حالیؔ، اقبال اور جوشؔ ہیں جن کا شمار قدرِ اوّل کے شعراء میں ہوتا ہے۔

ریسرچ کرنے والوں نے شعراء کے مدارج طے کرنے کے لئے اصنافِ شاعری کے میزان پر انہیں چار حصوں میں تقسیم کر کے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ ایک حصہ غزل گو شعراء کا

ہے۔جس میں ولی، میر اور آتش سرفہرست ہیں لیکن ان میں بھی تخلیقی اعتبار سے سب سے ممتاز شاعر میر قرار پائے اور انھیں شہنشاہوں کی شان میں بیان سے کہیں افضل تھے۔ اس طرح سودا اور ذوق کے مقابلہ میں انیس اور جوش کو فوقیت ملی۔

تیسرا حصہ افسانوی اور بیانیہ شاعری کا ہے۔ افسانوی رنگ کا مرثیہ سے دور کا تعلق نہیں۔ حقائق نویسی میں افسانوی ذکر کی گنجائش ہی نہیں اس لئے بیانیہ انداز کا اثر صرف مرثیہ ہی میں ملتا ہے جہاں ایک بار پھر نگاہ انتخاب میں انیس اور جوش کے مرثیے ہیں۔

چوتھا حصہ مفکرانہ اور فلسفیانہ شاعری کا ہے۔جس میں غالب اور اقبال کی عظمت سے انکار ممکن نہیں لیکن یہ بھی سوچنا پڑتا ہے کہ اس جہان رنگ و بو میں روحانی تصور کی کمی ہے۔ انیس اور جوش نے اپنی شاعری میں خاصی حد تک مفکرانہ فلسفیانہ انداز اختیار کرتے ہوئے رسولؐ کی نسبت سے روحانیت کے بیان میں وہ تصور پیش کیا جس کا جواب اردو شاعری کیا دنیا کی کس شاعری میں نہیں۔

اس تقسیم کو مدنظر رکھتے ہوئے مفکرین و مبصرین نے صرف پانچ شعراء میر، انیس، غالب، اقبال اور جوش کو اپنے اپنے رنگ کا موجود اور فرد کامل کہا ہے۔ نظیر اکبرآبادی عوامی شاعری ہیں جنھیں انسانی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے، پست و بلند حرکات کا مبلغ کہا جاتا ہے اور سلیم احمد صاحب نے نظیر اکبرآبادی کو اردو کا سعدی بھی لکھ دیا ہے لیکن شائد نظیر الفاظ کو رعنائیاں اور جمال کی حسن آرائیاں، نہ فراہم کرسکے اس لئے شاعری کے مقابلے میں مقبولیت و سحر کا اعجاز نہ پاسکے۔ میرے لئے ہر حال یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ بڑی شاعری کے نگارخانے میں کسی تصویر کی قیمت زیادہ ہے۔

دراصل انسان کو انسانیت کے دائرے میں پیش کرنا بڑا آرٹ ہے اور جو شاعر انسانی جذبہ کے حقیقی رموز سے واقف نہ ہو وہ شاعری کی لطافت و عظمت کا افتخار حاصل نہیں کرسکتا۔ موضوع کی مناسبت سے ہر شاعر کی شاعری پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں مختصر طور پر اتنا کہنا کافی ہے کہ جب انسان ہی کی شناخت و تشریح پر بڑی شاعری کا دارو مدار ہے تو میر کا انسان عاشق مزاج ہے جو عشق میں روتے روتے سوجاتا ہے۔

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو
ابھی تک روتے روتے سوگیا ہے

لیکن جوشؔ کا عاشق مزاج انسان اپنی زبان، محاورہ، شوخی، رندی، نشاط وانبساط، کیف و سرور، تعشق وتغزل اور لطافت وحلاوت میں اپنی بیداری کا ثبوت دیتا ہے۔

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بدم
دشتِ ثبات وعزم ہے، دشت بلاؤ غم
صبر مسیح و جرات سقراط کی قسم
اس راہ میں ہے صرف اک انسان کا قدم

(دیوان جوشؔ صفحہ ۳۳۴)

غالبؔ اپنی مشکل پسندی کے باوجود وہ عظیم شاعر ہیں جنھوں نے فرسودہ مضامین کو نئی زندگی دی جتنا زیادہ ان کا کلام پڑھا جائے اتنا زیادہ غالبؔ کا امتیاز معلوم ہوگا لیکن وہ یہ شکایت کرتے چلے گئے کہ آدمی انسان نہیں بن پاتا۔

''آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا''۔ اور یہ اس لئے کہ وہ بلند نظری اور خود آگاہی سے دور ہے۔ جس کے بعد غالبؔ بے درودیوار کا گھر بنانے لگتے ہیں جہاں کوئی نہ ہو۔

بے در و دیوار کا اک گھر بنانا چاہیے ہمسا کوئی نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

جوشؔ انسان کو جب کسان کے روپ میں دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ بھی بلند کردار کا مالک ہے۔

ارتقا کا پیشوا، تہذیب کا پروردگار طفل باراں، تاجدار خاک، میر بوستاں
ماہر آئین قدرت، ناظم بزم جہاں ناظر گل، پاسبان رنگ و بوگلشن نیاں

(دیوان جوشؔ ص ۲۶۶)

پھر جب فرزند رسولؐ امام حسینؑ پر نظر پڑتی ہے تو انسان کی جو عظمت نظر آتی ہے تو اس کے لئے کہتے ہیں کہ

جو کاروان عزم کا رہبر تھا وہ حسینؑ خود اپنے خون کا جو شناور تھا وہ حسینؑ

اک دین تازہ کا جو پیمبر تھا وہ حسینؑ جو کربلا کا داور محشر تھا، وہ حسینؑ

جس کی نظر پہ شیوہ حق کا مدار تھا

جو روحِ انقلاب کا پروردگار تھا

اقبالؔ کا انسان مردِ کامل ہے۔ جس کی انھیں تلاش تھی خودی کے تین مدارج اطاعت، ضبط نفس اور نیابت الٰہی کے بیان میں وہ اپنا مردِ کامل حضرت علیؑ کے روپ میں دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اطاعت ایسی کہ جیسے رسولؐ خدا کی اطاعت علیؑ نے کی، ضبط نفس ایسا کرو جیسا رسولؐ اور علیؑ نے پیش کیا۔ تیسری منزل نیابت الٰہی میں خود کا جوش ختم ہو جاتا ہے کہ انسان قربت الٰہی سے دور رہے ورنہ اس کی اپنی خودی ختم ہو جائے گی جبکہ دوسری جگہ وہ اپنے ہی استدلال کی نفی کرتے ہیں کہ

فرد قائم ربط ملت سے تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

حالانکہ نیابتِ الٰہی کا درجہ پا کر انسان موج کی طرح سمندر میں سمندری طاقت حاصل کرسکتا ہے۔ پھر اقبالؔ جب عظیم شاعر اپنے فلسفیانہ انداز میں عظیم تو ہے لیکن عورتوں کی خودی کے معاملہ میں بے بس ہو کر کہہ اٹھتا ہے کہ عورت کی خودی اسی میں ہے کہ وہ فاطمہؑ بنے اور حسینؑ پیدا کرے گویا عورت کی خودی Incnbrating Machine ہے۔

انیسؔ اور جوشؔ کی شاعری انسانی رشتوں کی شاعری ہے۔ انھوں نے انسان کو اس کے بنیادی ماحول میں پیش کیا جہاں باپ بھی ہے بیٹا بھی ماں بھی ہے بیٹی بھی، چچا ہے اور بھتیجہ بھتیجی بھی، ساس بھی ہے، بہو بھی، شوہر بھی اور بیوی بھی، دوست، احباب اور آقا و غلام غرض کون سا ایسا انسانی رشتہ ہے جس کی قدرتی شکل نہ دکھلائی گئی ہو اور وہ بھی رسولؐ اور ان کے گھرانے کی مثالوں کے ساتھ۔

جوشؔ نے تمام عمر اپنی شاعری میں میر انیسؔ ہی کی پیروی کی اور اس تقلید کے ساتھ ان کی دلکش، زوردار اور پراثر آواز ہے جو سونے پر سہاگے کے کام کرتی ہے۔

آیئے دیکھیں کہ جوشؔ خود اپنی شاعری کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ''میں نے شاعر بننے کی نہ تمنا کی اور نہ اس کے پیچھے دوڑا۔ شاعری نے خود میرا پیچھا کیا اور نو

برس کی عمر میں مجھے پکڑ لیا۔...... شعر اصل میں کہا نہیں جاتا وہ تو اپنے کو کہلوا تا ہے"۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے چار میلانات کا ذکر کیا ہے۔ "شعر گوئی، عشق بازی، علم طلبی اور انسان دوستی"۔

شعر گوئی میں آمد تو انھیں ورثہ میں ملی تھی۔ تاریخ ادب اردو میں میرؔ، غالبؔ، انیسؔ اور اقبالؔ کے ساتھ اگر جوشؔ اپنی مسیحا نفسی، الفاظ کی سج دھج، رعنائی اور جمال کی حسن آرائیوں کی تابانی اور گہر باری سے ایوان شاعری کو رخشندہ اور درخشاں نہ کرتے تو شعر و ادب میں نہ انداز کہن بدلتا اور نہ رفعت خیال و اسلوب کا چھوتا ڈھنگ معرض وجود میں آتا۔ غالبؔ کی شاعری کے ساتھ ان کے خطوط میں نثر نگاری کی بھی سج دھج ہے لیکن الفاظ کا قیمتی خزانہ انیسؔ اور جوشؔ سے زیادہ کہیں نہیں ملتا پھر جوشؔ کی خودنوشت "یادوں کی برات" بڑھ بہانگ پڑھ کر کہا جا سکتا ہے کہ جوشؔ اپنی شاعری کے ساتھ نثر نگاری میں بھی منفرد حیثیت رکھتے ہیں جن کے یہاں برجستگی واسلوب بیان ایک خاص رنگ میں جلوہ گر ہے۔ ان کی انفرادیت میں ان کا شریف طبع اور کریم النفس ہونا بھی شامل ہے پہلے غزل کے چند اشعار میں ان کا اپنا فطری رنگ دیکھیں۔

عمارت پہ نہ جا، کچھ بھی نہیں شاہوں کی محفل میں
محبت کا خزانہ ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل میں

جذب کر لینا تجلی، روح کی عادت میں ہے
حسن کو محفوظ رکھنا عشق کی فطرت میں ہے

صورت پرست میری نگاہوں نے اصل میں
دل کیا، مرے وجود کی مٹی خراب کی

منظور ہے خدا کو پہونچوں گا روز حشر
چہرے پہ خاک مل کے در بوترابؑ کی

اتنا لبریز وفا روح کا پیمانہ ہے
اب تو ہر انسان مری آپ کا افسانہ ہے

عقل مدہوش ہے اور روح دکھاتی ہے چراغ
بے خطر راہ طلب بھی ترا دیوانہ ہے

شوئی بخت سے کیا جوشؔ وہ اسباب نہیں
پھر بھی خوش ہوں کہ طبیعت تو فقیرانہ ہے

تھی خطا ان کی مگر جب آ گئے وہ سامنے
جھک گئیں میری ہی آنکھیں رسم الفت دیکھئے

رونے کے بعد روح کو ہوتا ہے انبساط
لذت چھپی ہوئی ہے غم روزگار میں

جوشؔ کی غزلوں میں رفعت خیال اور اسلوب کا اچھوتا ڈھنگ بھی ہے لیکن وہ اپنے جذبات کے وسیع و عریض میدان میں غزل کے دائرے کو محدود سمجھتے ہیں۔

بقدرِ ذوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کیلئے

غزل کے علاوہ جوشؔ نے رباعیات بھی کہیں جہاں مقبولیت کا سحر واعجاز موجود ہے مثلاً،

دم ان کے سامنے نکلے دعا یہ مانگوں گا — ذرا مجھے مرے احباب قبلہ رو کرتے
برا ہو دل کا یہ کم بخت آہ کر بیٹھا — قریب تھا کہ وہ کچھ مجھ سے گفتگو کرتے

☆☆☆

ہم پر بھی، حسینوں کا کرم تھا، اک روز — اس قوم میں، اپنا بھی بھرم تھا، اک روز
بے زار نگاہوں کی گزرگاہ ہے اب — وہ چہرہ، کہ نظروں کا حرم تھا اک روز

☆☆☆

اللہ رہی ولیؑ ابن ولیؑ کی آواز — سازِ ابدی و ازلی کی آواز
یہ آج جو اک گونج ہے آزادی کی — یہ بھی حسینؑ ابن علیؑ کی آواز

لیکن جوشؔ کی نظموں نے شاعری کو جو اعزاز وافتخار بخشا اس سے اردو شاعری نے بھی انھیں اتنا بڑا استون قرار دیا کہ انھیں شاعری کا قطب مینار کہنا بجا ہوگا۔

نظموں کی جھلک بعد میں پیش کی جائے گی۔ پہلے ذرا جوشؔ کے چار رجحانات میں سے شعر گوئی کے بعد عشق بازی پر بھی نظر ڈالی جائے۔ عشق بازی کے سلسلہ میں جوشؔ نے اپنی سوانح حیات "یادوں کی برات" میں خود لکھا ہے کہ:

"ہوش آتے ہی اچھی صورتیں میری نگاہوں کو اپنی طرف کھینچنے لگیں۔ آج بھی جب کبھی کسی تیکھی شکل کو دیکھ لیتا ہوں تو وہ مکھڑا آتی (بھالا) بن کر سینے میں کچ سے چبھ جاتا ہے"۔

"یادوں کی برات" میں جوشؔ صاحب نے میرے لکھنؤ یونیورسٹی کے ہم جماعت سید محمد واقف مرحوم کا بھی ذکر کیا ہے جو ان سے بے حد قریب تھے۔ واقف نے جوشؔ صاحب سے جب ان کی عشق بازی پر گفتگو کی تو جوش صاحب مسکرائے اور بولے کہ اللہ نے حسن دیا ہے تو اُسے دیکھنے کے لئے آنکھیں بھی اور جب حسن خود دعوت نظارہ دے تو اسے نہ دیکھنا کفران

نعمت ہے۔ یہ تو اللہ کے مخصوص بندے ہی ہیں جو اس طرف توجہ نہیں دیتے۔ بیشتر لوگ بگلا بھگت بنے دوسروں پر انگلیاں اٹھاتے ہیں اور اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے کہ وہ کیا ہیں۔ الفاظ کے ردو بدل میں جوش صاحب نے ''یادوں کی برات'' میں بھی لکھا ہے کہ ''میں اپنے معاشرے کے علی اور غم دروغ گفتاری وریا کاری پر عمل نہیں کرتا اور اپنے جلوت وخلوت کے تمام مشاغل ڈنکے کی چوٹ پر بیان کر دیتا ہوں''۔

''یادوں کی برات'' جوش صاحب کا غیر معمولی ادبی کارنامہ ہے۔ جس میں قدیم وجدید معاشرے کی خوشنما جھلکیاں ہی نہیں انسانی شوق اور مشغلوں کے افسانے بھی ہیں جن کی حقیقت آج بھی غربت اور امارت زدہ گھرانوں میں ملتی ہے۔ ان حالات کے بیان میں بھی جوش نے تہذیبی زندگی کا دلکش انداز برقرار رکھا جس میں ان کا صاف ستھرا ادبی ذوق نمایاں ہے۔ زبان کی ساختوں سے جو معنی پیدا کئے ہیں وہ ذہن انسانی کا معنی خیز سرچشمہ ہیں۔ م بیگم کے سلسلۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ:

''میں نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی۔ دل حسن کے شفق میں ڈوب گیا۔ اس نے کن انکھیوں کے مجھ دیکھا۔ اس کی نظروں نے بات کی، میری نگاہوں نے جواب دیا۔ آنکھوں کی زبان اس قدر سلجھی، صاف اور دوٹوک ہوتی ہے کہ غلط فہمی کا امکان ہی نہیں رہتا۔ آنکھوں کی بات چیت ہوا میں نہیں تیرتی، خون کی لہروں میں ڈوب جاتی ہے۔ ایک دل کہتا ہے، دوسرا دل سمجھ لیتا ہے۔

نگاہے معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

اور ہم دونوں کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا۔''

جوش صاحب عورت کے ہاتھ میں تلوار نہیں دیکھ سکتے۔ یہ ۱۹۴۶ء کا ذکر ہے جب میرا لکھنو یونیورسٹی میں ایم اے کا آخری سال تھا۔ جوش صاحب یونیورسٹی آئے تو پروفیسر احتشام حسین کے ساتھ جب بینٹ ہال پہنچے تو میں بھی ساتھ تھا وہاں عورت کی تصویر آویزاں تھی جس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ مجھے حکم ہوا کہ بیٹے ذرا ایک اسٹول لے آؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ خود اسٹول پر کھڑے ہو کر تصویر الٹ دی۔ احتشام صاحب نے وجہ دریافت کی تو

بولے میں عورت کے ہاتھ میں تلوار نہیں دیکھ سکتا۔

دیوانِ جوشؔ میں ''خاتون مغرب'' کے عنوان سے ان کی ایک نظم موجود ہے۔ چند اشعار ان کے جذبات کی ترجمانی کے لئے کافی ہے:

جب ضمیرِ حق میں انساں کا ہیولیٰ بن چکا

مرد کو تحفہ میں دی شمشیر و تدبیرِ حیات — اور عورت کو چراغ و بربط و قند و نبات

راستے میں مرد کے ڈالے گئے تیغ و تبر — اور عورت کی طرف پھینکے گئے گلبرگ تر

مرد کے اعضا کو بخشا سنگ و آہن کا جلال — اور عورت کو بلا کا لوچ شبنم کا جمال

مرد کو بخشا لہو افسردۂ میدان جنگ — اور عورت کو ملا پگھلے ہوئے سونے کا رنگ

لیکن مغرب کی عورت نے مرد کا مقابل ہونا چاہا

جو عورت کی فطری تخلیق کے خلاف ہے۔

اپنے سینے کا خزانہ، اپنی فطرت کا جمال
مرد بننے کی ہوس میں کر دیا ہے پامال

تازگی، عزت، محبت، آبرو کچھ بھی نہیں — نام تو ہے پھول، لیکن رنگ و بو کچھ بھی نہیں

اسی لئے جوشؔ عورت کو اپنی فطرت سے بغاوت
کیلئے اس کے ہاتھ میں تلوار نہیں دیکھ سکتے۔

جوشؔ کی عشقیہ شاعری اور نثری بیان پر معترض حضرات ذرا دوسرے مشہور شعراء کی شاعری پر بھی نظر ڈالیں تو انھیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

آستیں جو اس نے کہنی تک چڑھائی وقتِ صبح
آرہی سارے بدن کی بے حجابی ہاتھ میں
مصحفیؔ

کچھ اشارہ جو کیا ہم نے ملاقات کے وقت
ٹال کر کہنے لگے، دن ہے ابھی، رات نہیں
انشاؔ

چولی مسکی، بند ہیں ٹوٹے، سر کے بال پریشاں ہیں
اس بگڑے عالم پر تیرے لاکھ بناوٹ قرباں ہے
حسرت

دمکتا ہے جو کندن سا بدن ہر ایک حلقے میں
تری جالی کی کرتی میں ہے عالم کامدانی کا
ناسخ

وصل کی شب عیش و عشرت کا یہ ساماں کیجئے
خود بھی عریاں ہو جئے اس کو بھی عریاں کیجئے
آتش

صندل سی وہ کلائیاں اپنے گلے میں ہوں
ہتھ پھیریاں نصیب ہوں چندن سی ران پر
صبا

وصل کی شب پلنگ کے اوپر
مثل چیتے کے وہ مچلتے ہیں
خلیل

عشق بازی کو بھی جوش نے اپنی شاعری کا ذمہ دار قرار دیا۔ آخر عمر میں جس دیوی کو انھوں نے "فتنۂ آخرالزماں" کہا اس نے تائب اور پرہیزگار بن جانے والے جوش کو ایک بار پھر یہ کہہ کر چونکا دیا کہ "میں محبت کے معاملے میں آنکھوں کو دخل نہیں دیتی۔ میں حسین صورت کو نہیں، حسین ذہن کو پوجتی ہوں اور آپ کے پاس وہ حسین ذہن ہے۔ جس کی کوئی نظیر نہیں"۔ اور جوش کو کہنا پڑا کو "یہ تلاطم دیکھ کر میرا فلسفی مرگیا اور میرا شاعر عربی اٹھا شاعری جیتی اور فکر ہار گئی۔ اب تو یہ سوچتا ہوں کہ کاش میں دنیا کا خبیث ترین اور ملعون ترین آدمی ہوتا، مگر شاعر نہ ہوتا، میرے سوا کسی کو، اس پورے کرہ ارض، ہر اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ عقل کی خوابیدگی، عشق کی بیداری، اضطرا ... کی خلعت پوشی، تمکین کی برہنگی، قلم کی نوحہ گری، تیسے

کی نغمہ سرائی، دماغ کی شکست اور دل کی فتح مندی، کس قدر ہولناک و عبرت انگریز سانحہ ہے۔ کس سے فریاد کروں میں سوختہ بخت کہ:

دل کا طوفاں، دماغ تک پہنچا — گھپ اندھیرا چراغ تک پہنچا
دوڑو کہ سر جوش نگوں سار ہوا ہے — نقاش جہاں، نقش بدیوار ہوا ہے
صد حیف کہ اک دین تفکر کا پیمبر — آلودۂ کفر لب و رخسار ہوا ہے
اے وائے کہ دل کے افق عید پہ اے جوش — پھر چاند محرم کا نمودار ہوا ہے

اور میری پوری نظم سے اندازہ لگا ہے تو کم بخت شاعر کی ناقابل اعتماد فطرت کا۔ اللہ آدمی کو، لو۔ لو، بنا کر گدھے پر چڑھا ئے لیکن شاعر نہ بنائے"۔

یہ اور بہت کچھ "یادوں کی برات" میں پڑھئے۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ شاعر کی ذاتی زندگی کیا ہے۔ ہم تو اس کی شاعری کو آغاز سے لے کر اختتام تک دیکھتے ہیں کہ جوش کی فطرت ذوق شعری نے ہمیں وہ شاعر دیا جس نے فن شاعری کی آبرو رکھ لی۔

جوش نے اپنے تیسرے میلان کے بارے میں بھی یوں لکھا ہے کہ "اگر میرے دل میں علم کی لگن نہ ہوتی تو دوسرے رئیس زادوں کی طرح جاہل رہ جاتا" اور زمانے نے دیکھا کہ وہ نہ صرف اردو اور فارسی کے ماہر تھے بلکہ سینئر کیمبرج تک انگریزی بھی پڑھتی تھی اور اس وقت کے سینئر کیمبرج تک کی تعلیم آج کے ایم۔ اے سے کم نہ تھی۔

چوتھی بات انھوں نے انسان دوستی پر کی ہے۔ جوش ان لوگوں میں سے نہیں جو باہر سے کچھ اور ہو کر اندر سے کچھ اور نظر آتے ہیں۔ وہ ہمیشہ مرد عمل کے مداح رہے ہیں اور اس مرد باعمل کے خلاف برتاؤ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس کے ساتھ انھوں نے اپنی محبت اور عقیدت کو بھی سمو پایا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے جو بھی مضمون لیا ایک دریا بہاتے چلے جاتے ہیں۔ "مفلسوں کی عید" اور "کسان" جیسی بیشمار نظمیں ہیں جنھیں پڑھ کر انھیں ہمہ صفت موصوف و ہمہ جہت شخصیت قرار دیا جا سکتا ہے۔ سماجی اصلاح و ترقی کے لئے جس کردار کا انتخاب کیا اس میں کسان کے بارے میں کیا انداز بیان ہے۔

ارتقا کا پیشوا وہ تہذیب کا پروردگار — طفل باراں، تاجدار خاک، امیر بوستاں

ماہر آئین قدرت، ناظم بزم جہاں　　ناظر گل، پاسبان رنگ و بو گلشن پناہ

جس کی ظلمت کی ہتھیلی پر تمدن کا چراغ

جس کے بازو کی صلابت پر نزاکت کا مدار

قصر گلشن کا دریچہ سینہ گیتی کا دل　　خوش نما شہروں کا بانی راز فطرت کا سراغ

وہ دن بھر کی محنت کے بعد شام کو گھر پہنچتا ہے تو کیا دیکھتا ہے۔

بے ردا بیوی کا سر، بچوں کا منہ اترا ہوا　　سیم وزر، نان ونمک، آب وغذا کچھ بھی نہیں

گھر میں اک خاموش ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں　　ایک دل اور یہ ہجوم سوگوار ہائے ہائے

یہ ستم اے سنگ دل سرمایہ کاری ہائے ہائے　　تیری آنکھوں میں ہیں غلطاں وشقاوت کے شرار

اور سرمایہ کاری کی اس شقاوت پر بھی وہ کوئی

سمجھوتہ نہ کرنے کو تیار نہیں۔

انسان دوستی ہی کے حوالے سے جوش نے سیاسی پس منظر میں وہ زمانہ بھی دیکھا جو سیاسی، سماجی اور معاشی لحاظ سے انتشار، بےچینیوں اور تبدیلیوں کا زمانہ تھا، انقلابی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں، انگریز ہندوستان کے مالک بن بیٹھے تھے اور ایک نیا انداز فکر و عمل پیدا ہو رہا تھا۔ جوش انگریزوں سے سخت ناراض تھے کہ انھوں نے مکروفریب سے ہندوستان پر قبضہ جما رکھا ہے اور انسانیت کی تذلیل کی۔ چنانچہ عقلی تصورات کے سہارے وہ نئے سماج کی تشکیل میں شامل ہو گئے۔ جرمنی کے ہٹلر نے جب انگریزوں کے خلاف جنگ کی تو انگریزوں کو انسانیت کا مفہوم یاد آیا اس پر جوش نے کہا:

کس زباں سے کہہ رہے ہو آج اے سوداگرو　　دہر میں انسانیت کے نام کو اونچا کرو

اپنے ظلم بے نہایت کا فسانہ یاد ہے؟　　کمپنی کا بھی وہ دور مجرمانہ یاد ہے؟

سچ کہو، کیا حافظے میں ہے، وہ ظلم بے پناہ　　آج تک رنگون میں اک قبر ہے جس کی گواہ

آج کل تو ہر نظر میں رحم کا اندازہ ہے　　کچھ طبیعت، کیا نصیب دشمناں ناساز ہے

اور جب جرمنی کے ہٹلر نے ان کی خیریت پوچھنا شروع کی تو خوش ہو کر ہٹلر کو سلام کرتے ہیں۔

سلام اے تاجدار جرمنی اے ہٹلر اعظم:

بکنگھم کی خبر لینے جواب کی بار پھر جانا    ہمارے نام سے بھی ایک گولہ پھینکتے آنا
سنا تو ہوگا تو ایک بدبختوں کی بستی ہے    جہاں جیتی ہوئی ہر چیز جینے کو ترستی ہے
جہاں مزدور محنت کر کے مزدوری نہیں پاتا    اگر پاتا بھی ہے تو کبھی پوری نہیں پاتا

پھر انسان دوستی کے بارے میں ہدایات دیتے ہیں:

اے دوست دل میں گرد وکدورت نہ چاہیے    اچھے تو کیا برے سے بھی وحشت نہ چاہیے
کہتا ہے کون پھول سے رغبت نہ چاہیے    کانٹے سے بھی مگر تجھے نفرت نہ چاہیے
کانٹے کی رگ میں بھی ہے لہو، سبزہ زار کا    پالا ہوا ہے وہ بھی نسیم بہار کا

اور یہ پیغام انھیں رسولؐ اور ان کے اہل بیت سے ملا چنانچہ نعت رسولؐ میں کہتے ہیں۔

تیرے کرم نے ڈال دی طرح خلوص وبندگی    تیرے غضب نے بند کی رسم ورہ ستم گری
شان ترے ثبات کی، عزم شہید کربلا    شرح ترے جلال کی ضربت دست حیدری

جوشؔ دل سے قائل ہیں کہ انسان دوستی خدا کا عطیہ ہے جسے اس نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہلبیت کے ذریعہ پہنچایا۔ اس سلسلے میں پہلے جوشؔ کا خدا پر ایمان کی منزل دیکھئے:

کرتا ہے جب سائی کیوں مقبروں میں غافل    تو دل کی زندگی کو مردوں سے مانگتا ہے
کس نیند میں ہے غافل ہر سانس میں خدا ہے

عبادت کے سلسلے میں کہتے ہیں:

عبادت کرتے ہیں جو لوگ جنت کی تمنا میں    عبادت تو نہیں ہے اک طرح کی وہ تجارت ہے
جو ڈر کر نار دوزخ سے خدا کا نام لیتے ہیں    یہ عبادت کیا وہ خالی بزدلانہ ایک خدمت ہے
مگر جب شکر نعمت ہی جیسی کھلتی ہے بندے کی
وہ "سچی بندگی" ہے اک "شریفانہ اطاعت" ہے

اس سے جوشؔ کے ایمان کا بھی پتہ چلتا ہے جسے بعض لوگ مشکوک قرار دیتے ہیں "بہر ادین" کے عنوان سے وہ خود "یادوں کی برات" میں وضاحت کرتے ہیں کہ:

''میرے دل میں دنیا کے تمام بانیانِ مذہب کا بے حد احترام ہے اور خصوصیت کے ساتھ وت وحیات کے شاہکار حضرت محمد عربی، حضرت علیؑ اور حضرت حسینؑ کا شیدائی ہوں۔ ان تینوں ہستیوں کا دل سے پرستار ہوں''۔

رسولؐ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اے لاوارثوں کے وارث، اے بے آسراؤں کے سہارے، اے یتیموں کے باپ اور اے بیواؤں کے سہاگ۔ اے حرف ناشناس معلم، اے سفر نہ کردہ سیاح، اے فاقہ کش رزاق، اے حق کی برہان عظیم، اے امی حکیم۔ اے خدیو اقلیم جبل المتین، اے اولاد آدم کی فتح مبین، اے ناموس مار وطین اور رحمت العالمین، روح کائنات کا سجدۂ تعظیمی قبول فرما''۔

حضرت علیؑ کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اے علیؑ، اے میدان جنگ کے سورما رجز خوان، اے منبر امن کے شیریں سخن خطیب، اے ایوان عدل کے دیدہ ور قاضی، اے کشور سیف وقلم کے خدیو کج کلاہ، اے نان جویں کی بے پناہ طاقت کے مظہر، اے زندگی کے معتوب، اے موت کے محبوب، اے علت العلل کے باب میں ''لاغفور'' ''لارحمٰن'' ''لاقہار'' اور ''الاہو'' کی سی معنی خیز وخیال انگیز بات کہہ کر، خاموش ہو جانے والے مفکر سیف وقلم کا مجرا قبول کر۔''

مولائے کائنات اور آواز دے مجھے
اے جبریل طاقت پرواز دے مجھے

پھر جب رسولؐ کے نواسے و فرزند حسینؑ کو یاد کرتے ہیں تو کہتے ہیں:

''اے حسین...... اے دریائے زہر سے آب حیات پینے والے۔ اے بپھرے طوفان کو، اپنے سفینے میں ڈبو دینے والے۔ اے حریم شہادت کے، سب سے اونچے منارے۔ اے ہمت مردانہ کے اوتار، اور اے ثبات وعزم کے پروردگار۔ ازل سے لے ابد تک کے انسانیت کا غلامانہ سلام قبول کر''۔

حسینؑ ابن علی سے جوشؔ کی محبت کا اندازہ کرنا ہو تو اس کی جھلک ان کی نظموں میں پڑھیے۔

ہاں اب بھی جو مناوۂ عظمت ہے وہ حسینؑ
اب بھی جو محو درسِ محبت ہے وہ حسینؑ
جس کی نگاہ، مرگِ عداوت ہے وہ حسینؑ
آدم کی جو دلیلِ شرافت ہے وہ حسینؑ

واحد جو اک نمونہ ہے ذبحِ عظیم کا
اللہ ارے انتخاب، خدائے حکیم کا

اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے نظم کے چند اشعار پر غور کیجئے۔

سر دے دیا، مگر نہ دیا ظلم کو خراج
جس کے لہو نے رکھ لی تمام انبیاء کی لاج
رنگ اڑ گیا حکومت بدعت شعار کا
عزمِ حسینؑ، عزم تھا پروردگار کا
اک زندہ جید فاصل دنیا و دیں ہے تو
کونین کا تخیل عہد آفریں ہے تو

جوشؔ حسینؑ کے صف دینی یا اعتقادی بنیاد پر ان کے مداح نہیں بلکہ حسینؑ کو وہ سارے ادیان کا رہبر تصور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ
چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

اللہ رے تصورِ جوشؔ کی ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ ہندوؤں نے حسینؑ کا کلمہ پڑھ لیا۔ ہندوستان کے مشہور شاعر چندر شیکھر سکسینہ نے کہا:

مذہب کی قید ہی نہیں ذکرِ حسینؑ میں
ہر حق پرست ہوگیا شیدا حسینؑ کا
اہلِ ولا تو پڑھتے ہیں کلمہ رسولؐ کا
ہم ہندوؤں نے پڑھ لیا کلمہ حسینؑ کا

راون کی طرح مٹ گیا دنیا سے تو یزید
لیکن دلوں پہ آج ہے قبضہ حسینؑ کا

اسلام آباد میں ایک مرتبہ عون محمد مرحوم نے T.V کیلئے جوشؔ صاحب کا انٹرویو لیا تھا خدا معلوم وہ انٹرویو نشر ہوا یا نہیں۔ عون مرحوم نے جوشؔ صاحب سے سوال کیا کہ اللہ کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں۔ انھوں نے دو اشعار پڑھے جو ان کے دیوان میں بھی موجود ہیں:

جب دیکھتا ہوں مناظر قدرت
ہو جاتا ہے ذات باری پہ یقیں
جب دیکھتا ہوں تفرقہ انسانوں میں
دل پوچھنے لگتا ہے خدا ہے کہ نہیں

لیکن حقیقت یہی ہے کہ اللہ کو دل سے مانتا ہوں اور اس کا سہرا حسینؑ ابن علیؑ کے سر ہے۔ حسینؑ نہ ہوتے تو لوگ نہ اللہ کو مانتے نہ رسول کو اسی لئے رسولؐ نے کہا تھا کہ ''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں''۔

جوشؔ ادب کی تہذیبی وراثت سے منسلک تھے جس کے ذریعہ تمدنی مزاج اور تمام انقلابات وتغیرات کو سمجھا جاسکتا ہے۔ ادب ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کو اپنے ذہن میں سمیٹ لیتا ہے جوش کی نظموں میں یہ حقیقت پوری طرح واضح ہے۔ اس کے علاوہ وہ بھی جہاں انھوں نے فلسفیانہ انداز اختیار کیا ہے اس سے ادب کی خدمت میں ان کی کاوشوں پر انھیں مبارکباد دینا چاہیے۔

جسے تو غم سمجھتا ہے، خزانہ ہے مسرت کا — جسے تو چشم تر کہتا ہے سرچشمہ رحمت کا
ہر آہ سرد جھونکا ہے نسیم باغ راحت کا — ہر آنسو آئینہ ہے اصل میں تصویر جنت کا
یہ نوحے سوئیں گے اک روز آغوش ترنم میں
یہ آنسو جذب ہو جائینگے حوروں کے تبسم سے
سن اے غافل کہ غم میں ہیں خوشی کا راز پنہاں — شکستہ ساغر دل میں چھلکتی ہے مہ عرفاں
جسے گھیرا ہو صدموں نے وہی انسان ہے انساں — در رحمت دل بیتاب ہے اور دیدۂ گیریاں
تڑپ اے دل تڑپنے ہی سے باطن جگمگاتا ہے
ستارے کانپتے رہتے ہیں شعلہ تھرتھراتا ہے
تکلیف کے اسباب کو ''راحت'' نہیں کہتے — جو چند نفس ہو اسے ''لذت'' نہیں کہتے
دیباچۂ ماتم کو ''مسرت'' نہیں کہتے — جس شے کو فنا ہو اسے نعمت نہیں کہتے

آرام کی خواہش نہ کرو قوت زر سے
لبریز کرو روح کو اللہ کے ڈر سے

میر اور انیس کی طرح جوش کے اشعار سہل ممتنع کے حدود میں بھی آ گئے ہیں۔

عاشقی کیا ہے یہ جگ ہنسائی ہے
بات ہم نے یہ آزمائی ہے
دفتر عالم سے آسائش کا نام
یوں مٹا جیسے کبھی تھا ہی نہیں
"شوق" ناقص، "خیال" مہمل ہیں
پھر یہ دعویٰ کہ "ہم مکمل ہیں"
غم مسلط ہے جاگتے سوتے
کٹ گئی عمر روتے ہی روتے
اب تو اکثر یہ حال ہوتا ہے
سانس لینا وبال ہوتا ہے
آج کرنا تو کیا ترے آگے
بات کرنا محال ہوتا ہے

جوش کے کلام اور بیان سے بعض وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حسین صورتیں کو ان کے حسین ذہن و شاعری کی پجارن بن جاتی تھیں "فتنہ آخر زماں" نے جس طرح جوش کے جذبات میں ہلچل پیدا کی اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے جوش نے اس طوفان سے بچنے کے لئے ایک نظم "تقاضائے سرد مہری" کہا جو ان کی شاعری کو انفرادی حیثیت فراہم کرتی ہے "یادوں کی برات میں" جوش خود اسے انوکھی نظم کہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کرہ ارض پر جب سے شاعری کا آغاز ہوا اس وقت سے لے کر آج کی تاریخ تک اس نوعیت کا ایک مصرع بھی دنیا کی کسی زبان شاعری میں نہیں کیا گیا۔ اس میں صرف چند اشعار درج ذیل ہیں۔ جس میں فتنہ آخر زماں سے مخاطب ہیں۔

مجھے آزاد کر کے، پرکشائی کیوں نہیں کرتیں
جو دل کو توڑ دے، وہ کج ادائی کیوں نہیں کرتیں
بچھا دوں بوریا جا کر، پھر اپنے شہر حکمت میں
کبھی مجھ سے تم آپس بے وفائی کیوں نہیں کرتی
شکن جو ڈال دے میرے غرور فن کے ماتھے پر
کبھی اتنی اہانت سے رکھائی کیوں نہیں کرتی

جکڑ رکھا ہے میرا دل وفاؤں کے شکنجے میں
جفا کر کے مری مشکل کشائی کیوں نہیں کرتی
برائی میں تمہاری، جوش کے دل کی بھلائی ہے
بھلائی ترک فرما کر، برائی کیوں نہیں کرتی

انیس نے عظمت کے پہاڑوں پر بیٹھ کر دعویٰ کیا تھا کہ

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینیوں کو

جوش نے بھی انفرادی حیثیت حاصل کر کے مختلف انداز میں نعرہ بلند کیا کہ:

کوئی مشتری ہو تو آواز دے دے — میں کمبخت، جنس ہنر بیچتا ہوں
سخن کے ہیں یوں تو بہت جوش تاجر — مگر میں، برنگ دگر بیچتا ہوں

جوش صرف شاعر اور نثر نگار ہی نہیں ایک بلند پایہ عالم بھی تھے۔ انھیں جہاں الفاظ کے استعمال میں بے حرمتی نظر آتی فوراً ٹوک دیتے تھے۔ "یادوں کی برات میں خود ان کا بیان ہے کہ "میں کیا کروں کہ میرے سامنے جب کوئی غلط زبان استعمال کرتا تو میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا اور پھٹ سے ٹوک دیا کرتا ہوں۔ میں یہ نہیں دیکھتا کہ جس کو ٹوک رہا ہوں وہ سلطان ہے

یا گدا۔ میں پنڈت جواہر لال نہرو، ابوالکلام آزاد اور آمر پاکستان فیلڈ مارشل ایوب خاں تک کو ٹوک چکا ہوں۔ چنانچہ اس وقت کے سکریٹری وزیر اطلاعات نسیم احمد صاحب کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا کہ اثنائے گفتگو جب انھوں نے "رہائش گاہ" کہا تو میں نے پھٹ سے ٹوک دیا کہ لفظ غلط اور بدنسلا ہے۔ یہ دراصل ہندی کے لفظ رہنے سے بنایا گیا ہے اگر اسے مان لیا جائے تو پھر کھانے سے "کھلائش" اور لیٹنے سے "لٹائش" کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ میری اس گستاخی پر چراغ پا ہو کر، انھوں نے میرے خلاف سخت الفاظ میں ایک نوٹ لکھا"۔

جوش صاحب نے تو پہلے ہی پاکستان آ کر ایسی مخالفتوں کے عادی بن چکے تھے۔ ایک

جگہ ۲۷۲ صفحہ پر انھوں نے لکھا ہے کہ "ایوب خاں اور ان کے سایہ پرور الطاف گوہر کے مظالم کا سلسلہ قائم رہا اور ایسی بلائیں نازل رہیں کہ سانس لینا دشوار ہو گیا اور ہر ذرہ پکار پکار کر کہنے لگا، اور پاکستان، اے مردود، چکھ لیا مزا پاکستان آنے کا اور اے گھامڑ دیکھ لی سارہ سازی و ادب نوازی، ان مسلمانوں کی؟۔ میں اس ملک کے ناقدروں کو رونا کیا روؤں خود میرا آبائی وطن بھی کون سا شریف ملک ہے۔ وہ تو ایک اصطبل ہے جہاں صدیوں سے لیتا ڈہو رہا ہے اور جوتیوں میں دال بٹ رہی ہے..... ان کو اس بات کا خوف ہے کہ اگر ہم کسی کو بڑھائیں گے تو خود گھٹ جائیں گے۔

اس وجہ سے یہ ماننا پڑے گا کہ ارباب پاکستان، اہل ہندوستان کے مقابلے میں اس قدر تو ضرور شریف ہیں کہ اپنوں کی برائی بھی ہیں کرتے یہ اور بات ہے کہ اپنے صوبوں کی لومڑیوں تک کو شیر اور دوسرے صوبوں کی لومڑیوں تک کو شیر اور دوسرے صوبوں کے شیروں کو بھی لومڑیاں ثابت کیا کرتے ہیں..... فرنگیوں کے خطاب یافتہ خادم حفیظ جالندھری نے کس قدر سچی بات کہی ہے کہ:

بڑے زوروں سے منوایا گیا ہوں

یہ ہے شرافت پنجاب کی کہ اپنے بونوں کو "بڑے زوروں" سے منوا کر باون گز کا بنا دیتا ہے"

جوشؔ صاحب کے ایسے بیانات پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ سچائی اور صاف گوئی انتہائی نامرادشہ ہے۔ بدظنی پیدا کرتی ہے اور جب کوئی شاعر سچائی اور صاف گوئی کے ساتھ شاعری کی دلنواز شخصیت بھی بن جائے تو دوسروں کے ساتھ دشمنی میں وہ شعراء بھی شامل ہو جاتے ہیں جو بزعم خود اپنے کو بڑا شاعر سمجھتے ہوں اور دوسرے کی شہرت برداشت نہ کر سکیں۔

جوش صاحب سے جنرل ایوب یا دوسروں کی دشمن تو ممکن ہے ان کی سچائی اور صاف گوئی کا نتیجہ ہو جس کا مجھے علم نہیں لیکن ان سے حفیظ جالندھری کی دشمنی کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں ۱۹۶۳ء میں گورنمنٹ کالج جوہر آباد کا پرنسپل تھا اور وہاں کے ریگ زار میں شعر و ادب کے بیج بوتے ہوئے ہندو پاکستان کے بڑے مشاعرے کا اہتمام کیا تھا۔

شائد ہی کوئی بڑا شاعر بچا ہو جس نے اس میں شرکت نہ کی ہو۔ ہندو پاکستان کے ۳۲ مشہور ترین شعراء تھے جنھوں نے ۹ مارچ ۱۹۶۳ء کی رات سے شروع ہو کر ۱۰ مارچ کی صبح صادق تک انتہائی سرد رات میں اپنے کلام کی جادوگری میں سامعین کو مسحور رکھا اور دوسرے دور کی نوبت نہ آئی۔

مشاعرے کی صدارت کے لئے جوش صاحب سے درخواست کی۔ انھوں نے جواب بھی دیا تھا کہ "بیٹے میں ضرور آؤں گا، قیام، طعام اور جام کا انتظام تمہارے ذمہ"۔ مشاعر کی تاریخ سے صرف تین دن قبل C.I.D کے دو افسران نازل ہوئے اور حکومت کا فیصلہ سنایا کہ جوش اور قمر جلالوی مشاعرے میں شرکت نہیں کر سکتے۔ میں حیران تھا کہ حبیب جالب اس پابندی سے کیسے بچ گئے مشاعرے میں جنرل ایوب کے خلاف منع کرنے کے باوجود دل کھول کر نظمیں پڑھیں۔

ایسے دستور کو صبح بے نور کو
میں نہیں مانتا میں نہیں مانتا
خوشامد جو کرے فن کار ہے وہ
جو سچ بولے یہاں غدار ہے وہ

دوڑ دھوپ پر معلوم ہوا کہ یہ سب پابندیاں یوں لگائی گیں کہ اتنے بڑے مشاعرے کی صدارت کام کا سہرا حفیظ جالندھری کے سر باندھا جائے۔ میں فوراً لاہور گیا اور صدارت کے لئے جسٹس رحمان کو آمادہ کرلیا اور حفیظ صاحب نے بحیثیت شاعر اپنی "رقاصہ" ہی کے گن گائے جوش صاحب نے سنا تو مجھے مبارکباد دی کہ حفیظ کا زور میرا سر خم نہ کر سکا لیکن یہ افسوس ظاہر کیا کہ قمر جلالوی جیسے معصوم شاعر کو ان کے مدوحین سے دور رکھوانے میں کیا مصلحت تھی۔

☆☆☆

# انجام جوشؔ

مصور غم محشر لکھنوی

اڑ گئے انسانیت کے ہوش پاکستان میں
کس قدر رسوا ہوئے ہیں جوش پاکستان میں

اپنے وطن عزیز سے ہجرت کر کے آنے والے مادر وطن سے غداری کرنے والے یا ان کی موجودہ نسل کا کوئی فرد قیام پاکستان اور تقسیم ہند کی افادیت نہیں بتا سکتا۔

ہم ہندوستان میں مالی و معاشی طور پر اطمینان بخش زندگی نہیں گزار رہے تھے لیکن مذہبی اقدار، عقیدے کی حرمت، آداب و تہذیب، اخلاقی رواداری، خاندانی جاہ و حشم، حسب و نسب کا بھرم قائم تھا نصیب کے اعتبار سے رزق وہاں بھی تھا اور یہاں بھی ہے پوری دنیا میں ذرے ذرے کو رزق دینے والا صرف خالق دو جہاں ہے۔

پاکستان میں سب سے زیادہ تباہی و بربادی خاندانی لوگوں نے اٹھائی ہے ہندوستان میں خاندانی شرافت، اہلیت و صلاحیت، کردار، علم و ادب کی قدر دانی تھی لیکن اس اسلامی جمہوریہ پاکستان جو ایک خواب پریشاں کی خوں آلود تعبیر ہے۔ یہاں انسانی قدریں پامال ہوگئیں سب سے زیادہ تذلیل اہل علم و ادب کی ہوئی اور ہو رہی ہے۔

اگر میں جناب آرزو لکھنوی مرحوم اور ان کے اہل و عیال کی داستان بیان کروں تو مرحوم کی روح مجھے بددعائیں دے گی۔

گارڈن کے قبرستان میں ان کی منہدم آرام گاہ یا اذیت گاہ برسوں قبل میں نے دیکھی تھی اب معلوم نہیں کہ نشان قبر ہے بھی یا نہیں۔

حضرت جوش ملیح آبادی سے گاہے گاہے بہت مختصر سی قربت رہی ہے اور جو مایوس کن، زندگی انھوں نے گزاری یا زندگی نے ان کو گزارا وہ اس ملک کی ادبی تاریخ کا شرمناک اور نمایاں باب ہے۔

ہندوستان میں جوش صاحب کا تعلق قرطاس و قلم شاعروں علمی و ادبی نشستوں سے تھا

پاکستان آنے کے بعد خلاف مزاج ان کی پوری توجہ معاشی ذرائع کی طرف ہوگئی۔

جوش صاحب میں یہ خامی تھی کہ وہ محبّ اہلبیتؑ تھے دوسری کمزوری یہ کہ وہ اردو بولنے والے تھے، تیسری خامی کہ ان کا ہم پلہ کوئی پاکستان میں نہ تھا۔ اور ان کی ایک غلطی جو گناہ کبیرہ معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ وہ مستقل طور پر پاکستان آگئے۔ ان کو کسی نے یہ مشورہ نہ دیا کہ وہ اب خود کو ملیح آبادی نہ لکھیں بلکہ جوش لدھیانوی، جوش بلوچی، جوش پشاوری سرحدی لکھا کریں اگر ایسا ہوتا تو ان کی شخصیت اور ان کی ذات سے نفرت حسد اور تعصب کسی حد تک کم ہو جاتا۔

کمشنر کراچی اے ٹی نقوی نے تو قدر دانی اور محبت کے جذبے سے ان کو پاکستانی بن جان کا مشورہ دیا تھا نہ ان کو اپنے اقتدار کے ختم ہو جانے کا خیال تھا نہ ان کو جوش صاحب کے انجام کا احساس تھا۔

نقوی صاحب چاہتے تھے کہ جوش صاحب معاشی طور پر خوشحال و باعزت زندگی بسر کریں لیکن جوش صاحب سے حسد اور دشمنی بہت اعلیٰ پیمانے پر کارفرما تھی۔

جہانگیر روڈ پر ان کو سینما کے لئے پلاٹ ملا لیکن اس ملک کے بااثر اہل ادب نے حکومت پر دباؤ ڈالا کہ اور جوش صاحب نے کسی قسم کی رسہ کشی نہ کی اور پلاٹ واپس کر دیا۔

پی ای سی ایچ ایس، سوسائٹی میں سینما کے ایک پلاٹ کی نیلامی میں رقم کم تھی تو وہ اس پلاٹ سے بھی محروم رہے۔ ڈپٹی کمشنر ہاشمی صاحب نے پچاس ایکڑ زرعی زمین دی جو الطاف گوہر نے اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ ضبط کر لی۔ سائیکل رکشہ کے اجازت نامے ملے سرکار نے کینسل کر دیئے۔

ذریعہ معاش کے لئے ان کے پاس تقریباً ۲۰ مواقع آئے لیکن جو ان کی مالی مدد کے لئے آمادہ ہوتا اسے روک دیا جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورے ملک کی سرکاری مشنری جوش صاحب کی مخالفت و بیخ کنی پر مامور ہے۔

جوش صاحب کے مرنے کا افسوس اتنا نہیں جتنا اس بات کا افسوس ہے کہ وہ پاکستان میں زندگی کی قید سے آزاد ہو گئے۔ ابتداء میں جب جوش صاحب کو اندازہ ہو گیا تھا تو ان کو

ہندوستان واپس چلا جانا چاہتے تھے۔ پاکستان میں ان کی مخالفت کا یہ حال تھا کہ ان کے فلمی گانوں تک پر پابندی تھی جوش صاحب نے ایک فلم کے لئے گیت لکھا جو نور جہاں نے گایا۔

ہوا سے موتی برس رہے ہیں

فضا ترانے سنا رہی ہے

یہ فلم سینما گھروں میں بند کر دی گئی کہ اس گیت میں عریانیت ہے۔ جبکہ اس پاکستان میں دوسرے شاعر کے گیت

ہم تم اک کمرے میں بند ہوں اور چابی کھو جائے

اس فحش گانے پر کوئی پابندی نہیں لگی۔ یوں تو ہمارے معاشرے کی بے حسی تاریخ کا ایک اہم اور نمایاں حصہ ہے، غالب، امیر مینائی، آتش، میر تقی میر، سودا، نجم آفندی، آرزو لکھنوی، تجمل لکھنوی، استاد قمر جلالوی، وصی فیض آبادی اور ہزاروں شعراء کی زندگی افلاس فاقہ کشی، تنگدستی، غربت و ذلت میں بسر ہوئی اور آج بھی معاشرے نے اپنی سو سالہ اس بدترین روایت کو نہیں بدلا......

جوش ملیح آبادی اپنی شاعری میں منفرد انداز رکھتے تھے، ان اک طرز شاعری ہر طرح کی تنقید سے بالاتر ہے۔ جوش اس قدر بلند پایا شاعر تھے کہ اگر ان سے کسی اور شاعر کا موازنہ کیا جاتا ہے تو اس کا قد رگھٹ جاتا ہے۔

جوش ندرت خیال، الفاظ کی بندش نشست و برخاست فکر کی بلندی میں اپنی مثال آپ تھے صداقت پسندی ایسی تھی کہ انھوں نے اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کو بھی لوگوں سے پوشیدہ نہیں رکھا۔ جوش صاحب پر ایک ایسا وقت آیا کہ انھوں نے شراب ترک کر دی اور روٹی کو ترجیح دی حکومت اور ان کے حاسدوں نے جو ناانصافی ظلم و حق تلفی کی وہ اپنی جگہ پر لیکن اگر ہماری قوم کے سفید پوش مالدار نمائشی معززین میں غیرت و ہمیت ہوتی تو جوش صاحب کسمپرسی کا شکار نہ ہوتے مگر یہ ذمہ داری وہ لوگ اور وہ قومیں محسوس کرتی ہیں جن کے ضمیر زندہ ہوں۔ آج بھی ہماری قوم کا وہی حال ہے اور رہے گا۔

جوش صاحب سے ملاقات کا تین بار مجھے شرف حاصل ہوا۔ زیدی عابد اینڈ کمپنی نے

ان کو عارضی طور پر ایک بنگلہ نما مکان دیا تھا مغرب کا وقت قریب تھا جوش صاحب ایک پلنگ پر نیم دراز تھے۔ تین افراد اور تھے اذان کی جیسے ہی آواز آئی جوش صاحب اٹھے اور دو اگر بتیاں جلا کر دیوار پر لگے ایک فریم کے کونے میں لگا دیں اس فریم میں جوش صاحب کی ایک رباعی بڑی خوش خط لکھی تھی۔

سینے پہ مرے نقش قدم کس کا ہے
رندی میں یہ، اجلال و حشم کس کا ہے
زاہد مرے اس ہاتھ کے ساغر کو نہ دیکھ
یہ دیکھ مرے سر پہ علم کس کا ہے

دوسری بار حضرت نسیم امروہوی مجھے حسینیہ ایرانیاں لے گئے جہاں جوش صاحب نے مرثیہ پڑھا۔ جوش صاحب منبر پر نہیں بیٹھے بلکہ منبر کے قریب رکھے ہوئے ایک چھوٹے سے تخت پر بیٹھے اور فرمایا کہ مسدس پیش کر رہا ہوں۔ مرثیہ تھا۔

چاند سورج کی زبانی واقعہ کربلا۔ نہ جانے وہ مرثیہ کہاں تلف ہو گیا۔ جو ان کی کسی تصنیف میں نظر نہیں آتا۔ کس قیامت کا مرثیہ تھا جس کی کیفیت تحریر میں بیان نہیں کی جا سکتی۔

ترقی اردو بورڈ کا دفتر جمشید روڈ پر تھا یہ ایک منزلہ بنگلہ تھا نیچے کے کمرے میں جوش صاحب کرسی پر تھے ان کے سر پر حضرت میر انیس کی ایک بڑی تصویر دیوار پر آویزاں تھی۔

جوش صاحب کے بعد ان پر جو لکھا گیا وہ کچھ بھی نہیں ہے ان کے لئے بڑے بڑے سیمینار ہوتے ان کے نام پر ایک بہت بڑی لائبریری ہوتی ہر سال ان کی برسی شایان شان طریقے سے منائی جاتی۔

لیکن افسوس کہ ان کو زندگی میں کوئی اعزاز ملا نہ مرنے کے بعد

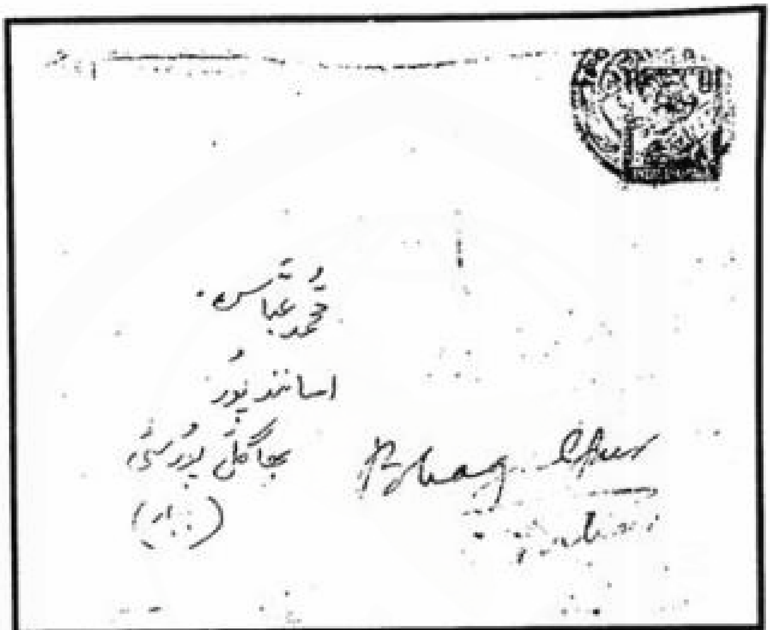
صفی کشتاں ہوں نا پرسانیوں کا اہل عالم کی
یہ دیکھوں کون میرا صاحب ماتم نکلتا ہے

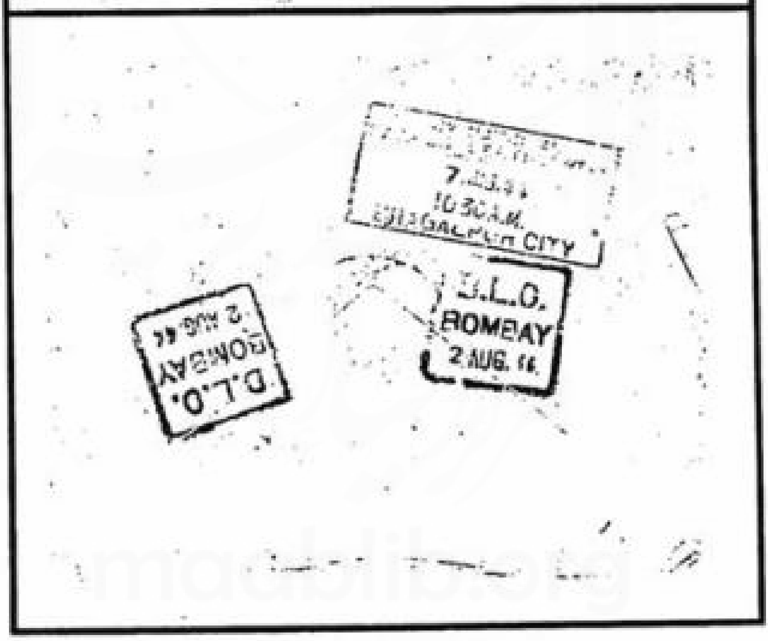
محشر لکھنوی

# جناب جوشؔ میری نگاہ میں

ڈاکٹر سید محمد عباس
ایم بی بی ایس

برصغیر کا بٹوارہ نہیں ہوا تھا۔ پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا۔ ۱۹۳۸ء یا ۱۹۳۹ء کا زمانہ تھا۔ میں صوبہ بہار کے ضلع بھاگلپور کے ایک ہائی اسکول میں ابتدائی درجہ کا طالب علم تھا۔ وہاں مسلمان اقلیت میں تھے اس لئے میرے ہم جماعت زیادہ تر ہندو لڑکے تھے یا بنگالی۔ اردو بولنے والے طلباء کی تعداد اس لحاظ سے آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ ایسے ماحول میں بھلا اردو شعر و شاعری اور ادبی ذوق کا پیدا ہونا ایک خلاف توقع بات تھی۔ اسکول میں، درسی کتابوں سے کچھ نظمیں، کچھ غزلیں اور کچھ نثری مضامین (مثلاً سرسید احمد خاں کے مضامین وغیرہ) ہمارے اسکول کے مولوی صاحب نصاب پورا کرنے کے لئے اور امتحان پاس کرانے کی خاطر ہمیں پڑھا دیا کرتے تھے، لیکن معنی و مطلب خاک ہماری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ شاعروں کے نام بھی یاد کرا دیئے جاتے تھے، مثلاً میر تقی میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ، انیسؔ، حسرتؔ، جگرؔ، جمیلؔ مظہری وغیرہ۔ جمیلؔ مظہری صاحب تو ہمارے صوبہ کے رہنے والے تھے لیکن ان کا قیام زیادہ تر کلکتہ میں رہتا تھا جمیلؔ صاحب کا نام سن کر ہم ایک فخر سا محسوس کرتے تھے اور کبھی کبھی وہ بھاگلپور بھی تشریف لاتے تھے اور ہم نے بچپن میں دو ایک بار انہیں ایک مجلس عزا میں شریک بھی دیکھا ہے۔ بدقسمتی سے ان کو سننے کا موقعہ کبھی نہیں ملا۔ اس مجلس میں ایک صاحب نے پیش خوانی کے طور پر میر انیسؔ کا ایک مرثیہ غالباً حضرت عون و محمد کے حال کا پڑھ دیا تھا۔ اس کے بعد بزرگوں کے بار بار اصرار کے بعد جمیلؔ مظہری صاحب نے منبر پر جانے سے انکار کر دیا اور کسی کی بات نہ مانی۔ میں بھی محروم سماعت رہ گیا، وہی ایک موقعہ مجھے ملا تھا، اس کے بعد تو پھر یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی۔




D.L.O.
BOMBAY

طاہرہ پیلس
شنکر سیٹھ روڈ
پونا (۲) ۱۸/۴۴

عزیزی، خدا بھلا۔ یاد آوری کا شکریہ قبول کرو۔ میرا کلام عرصۂ دراز سے کسی مخصوص رسالے میں شائع نہیں ہوتا۔ ہاں گاہ گاہ "نیا ادب" بمبئی میں چھپتا ہے۔

میری تمام کتابیں "تاج آفس، محمد علی روڈ بمبئی" سے حسبِ ضرورت دستیاب ہو سکیں گی۔ "سرود و خروش" "جنون و حکمت" اور "فکر و نشاط" کے واسطے مکتبۂ جامعہ دہلی کو لکھنا چاہیے۔

امید کہ تم تندرست اور خوش ہو گے۔ تمہاری یاد آوری کا دوبارہ شکریہ ادا کر کے یہ خط ختم کرتا ہوں۔ جوش

جوش صاحب کا خط ڈاکٹر محمد عباس کے نام

اپنے اسکول کے طالب علمی کے زمانہ میں ہی اتفاق سے میرا جانا حسین آباد (ضلع مونگیر) ہوگیا۔ ماجد بھائی مدظلہ، میرے سگے ماموں زاد بھائی ہیں۔ وہاں ان سے "روح ادب اور شعلہ وشبنم" دیکھنے کو پہلی بار ملی۔ بلکہ انھوں نے چند آسان نظمیں، اور روح ادب سے چند نثر پارے خود پڑھ کر سنائے۔ بس پھر کیا تھا۔ یوں لگا جیسے میرے ذوق شعر فہمی کو مہمیز ہوگئی۔ شبیر حسن خاں جوشؔ ملیح آبادی میرے پسندیدہ شاعر ہوگئے۔ اور پھر تلاش کر کے جوشؔ صاحب کا کلام جہاں جہاں سے ملتا تھا جمع کرنے لگا۔ میرا شوق یہاں تک بڑھ گیا کہ اس زمانہ میں جو دیوان جوش صاحب کا طبع ہو چکا تھا اپنی پاکٹ منی (جیب خرچ) سے بذریعہ ڈاک منگوانے لگا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بھاگلپور پہنچ کر میں نے جوشؔ صاحب کو اپنے اسکول کے زمانہ میں ہی بمبئی کے پتہ پر ایک خط بھی لکھ ڈالا اور ان سے دریافت کیا کہ آپ کا دیوان کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے اور یہ کہ آپ کا کلام زیادہ تر کس پرچہ یا رسالہ میں شائع ہوتا ہے۔ کافی عرصہ تک میں ان کے جواب کا انتظار کرتا رہا، پھر یہ سوچ کر کہ ایک اتنا بڑا شاعر ایک معمولی طالب علم کے خط کا جواب دینا شاید شایان شان نہیں سمجھتا ہوگا۔ میں ادھر اُدھر سے، جہاں سے ممکن ہوتا ہے، ان کا کلام اپنی ایک بیاض میں جمع کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ کافی ضخیم ہوگئی۔ ایک طویل عرصہ کے بعد، غالباً سال ڈیڑھ سال کے بعد، اچانک ڈاکیہ نے مجھے ایک لفافہ دیا جس پر نام اور پتہ اردو میں لکھا تھا۔ اور بمبئی سے روانگی کی مہر لفافہ پر لگی ہوئی تھی۔ دھڑکتے ہوئے دل سے لفافہ کھولا تو وہ جوشؔ کی تحریر میرے نام تھی۔ (لفافہ اور جوشؔ صاحب کی تحریر آج بھی میرے پاس محفوظ ہے) میں اپنی بدگمانی پر نادم ہوا اور اپنے لئے اس کو ایک بڑا اعزاز سمجھنے لگا۔

۱۹۴۸ء میں جب میں اور ذرا سن شعور کو پہنچا تو بڑے بھائی سید محمد یوسف رضا صاحب کے ساتھ کراچی آ گیا۔

۴۸ء سے ۲۰۰۹ء تقریباً چھ دھائیاں یعنی ساٹھ سال کا طویل عرصہ اسی شہر کراچی میں گزر چکا ہے اور گزر رہا ہے۔

میں نے جوشؔ صاحب کو پڑھا بھی، دیکھا بھی، سنا بھی پہلی بار ان کو خالقدینا ہال بندر

روڈ پر پڑھتے ہوئے سنا۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اس کے بعد سے حسینیہ ایرانیاں، یادرِ عباس صاحب کے یہاں تو تصنیف مرثیوں کی مجلس میں فردوس کالونی میں۔ رضویہ سوسائٹی کے میدان جلسہ یادگار مرتضوی کے موقعہ پر جب علامہ رشید ترابی اعلیٰ اللہ مقامہ بھی حیات تھے، بڑا میدان ناظم آباد کے علاقہ میں نقوی کلینک کے پاس جوشؔ صاحب مرحوم کے صاجزادہ سجاد صاحب اور جوشؔ صاحب کے پوتے کی اسکوٹر اور موٹر سائیکلیں مرمت کرنے کی دکان تھی تو ان دونوں سے بھی میری جان پہچان اور علیک سلیک تھی، اس کے علاوہ ایک دو بار بیگم جوشؔ بھی اپنی ناسازیِ طبیعت کے سلسلہ میں نقوی کلینک تشریف لائی تھیں۔ غرض یہ کہ اس خانودہ سے ایک قدردان جوشؔ کی حیثیت سے میری وابستگی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

ذہن کے اسکرین پر اتنی یادیں ابھرابھر کر آرہی ہیں کہ اگر ان سب کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنا چاہوں۔ تو یہ کام آسان نہ ہوگا۔

جوشؔ صاحب کے لئے تو جمیلؔ مظہری صاحب نے یہ کہا:

جمیلؔ پرتو سے جوش کے ہے یہ انجمن اک نظام شمسی
میں وہ ستارہ جو اپنے سورج کے سامنے جھلملا رہا ہے

مگر میں کوئی ادیب شاعر تو ہوں نہیں کہ منظوم خراج تحسین پیش کرسکوں۔ اپنے منتخب اور پسندیدہ اشعار جو حافظہ میں رہ گئے ہیں۔ قدردان جوشؔ کی حیثیت سے پیش کرنے کی جسارت کررہا ہوں۔

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ
چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ
عباس نامور کے لہو سے دھلا ہوا
اب بھی حسینیت کا علم ہے کھلا ہوا

اصغرؑ میں پیچ و تاب نہ تھا اضطراب کا
وہ دل دھڑک رہا تھا رسالتمآبؐ کا

''حسین اور انقلاب'' تو ایک شاہکار نظم ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ۱۹۳۸ء میں (جب میں اسکول میں ایک نچلی جماعت کا طالب علم تھا) لکھنو میں ناصر الملت اعلیٰ اللہ مقامہ حیات تھے۔ وہ مرجع تھے ........... نے جوشؔ صاحب سے فرمائش کر کے یہ نظم خود ان کی زبانی سنی تھی۔ یہ میری انتہائی خوش قسمتی تھی کہ ۴۸ء میں جب بھاگلپور سے کراچی آ گیا تو بفضل تعالیٰ اور بطفیل محمدؐ و آل محمدؑ میں نے ایسے ایسے نابغۂ روزگار لوگوں کو دیکھا اور سنا کہ ان کی حسین یادیں میرے لئے سرمایۂ آخرت بن گئیں۔

جوشؔ تو سرداران جنت کے غلام تھے۔ خود کہہ گئے ہیں کہ

جوشؔ ہم ادنیٰ غلامان علی مرتضیٰ
تمکنت سے پیش آتے ہیں جہانبانی کے ساتھ

۸ر اپریل ۲۰۰۹ء (بدھ)

☆☆☆

# جناب معصوم رضا

میں نے دو تین نشستوں میں اندازہ لگایا کہ انجینئر معصوم رضا صاحب اردو ادب، شاعری، تحقیق و جستجو اور تخلیقی صلاحیتوں کے حامل انسان کو گوشہ نشین نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ جناب حسین انجم مدیر ماہنامہ طلوع افکار کی ماہانہ ادبی نشست میں شرکت کریں۔ آپ کے ذوق و شوق اور جستجو کو بڑی تقویت پہنچے گی۔ جناب حسین انجم کی ماہانہ ادبی نشست میں بڑے بڑے ادیب، شاعر، نقاد، مصنف شرکت فرماتے ہیں۔ چند ساعتوں کی نشست پر از افادیت ہوتی ہے چنانچہ معصوم رضا صاحب شرکت کرنے لگے چند ہی دنوں میں جناب حسین انجم صاحب پر معصوم رضا صاحب کے جوہر آشکار ہوئے جناب انجم صاحب نے اپنی انجمن کے سکریٹری کے فرائض انھیں سونپ دیئے۔

ماجد عفی عنہ

# جوشؔ، عالمی ادب کے تناظر میں

معصوم رضا انجینئر

جوشؔ کی شاعری کی مختلف جہتیں ہیں اور ہر جہت میں ان کا انداز منفرد ہے۔ کبھی وہ شاعر انقلاب ہیں، تو کبھی شاعر شباب، کہیں وہ حسین فطرت کے غماز ہیں، تو کہیں معرفت زیست کے نباض۔ انھوں نے غزلیں بھی کہیں، جدید نظمیں بھی۔ رباعیات بھی تخلیق کیں اور مرثیے بھی کہے، اور ہر صنف میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا۔

مرثیے کے سلسلہ میں میرا نظریہ، یہ ہے کہ صنف سخن اپنے اندر کتنی ہی اقسام شاعری کو سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ صنف سخن تالاب میں ابھرتے ہوئے ان دائروں کا سماں پیش کرتی ہے جو کسی کنکری کے گرنے کے بعد یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے ہیں۔ دائرہ در دائرہ، صدا پھر صدائے بازگشت، منظر اور اس میں پس منظر۔ گویا ایک جہان شاعری ہے، جو جسدِ شاعری میں سمایا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ عرفانی شاعری ہو کہ مناظر فطرت کی شاعری۔ رزمیہ شاعری ہو کہ فلسفیانہ شاعری، سبھوں کا عکس صنف مرثیہ میں پڑتا ہے۔ اور یہی صفت جوشؔ کی شاعری میں ہی ہے، کہ وہاں موضوع کا ایک جہان آباد ہے۔ میں یہاں جوشؔ کی شاعری کے حوالہ سے اپنی ہی کتاب ''اردو شاعری کے خط و خال، عالمی ادب کے تناظر میں'' سے ایک مختصر سا اقتباس پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جس میں عالمی ادب کی شاہکار تصانیف کے پہلو بہ پہلو اردو شاعری کی اس صنف سے بند پیش کیے گئے ہیں، اور فکر و لہجہ کی یکسانیت تلاش کی گئی ہے۔

پہلے عرفانی شاعری کو دیکھتے ہیں۔ ملٹن ''پیراڈائس لوسٹ'' (جنت گمشدہ) میں کہتا ہے:

**O Spirit that dost prefer**

**Before all temples the upright heart and pure,**

**instruct me, for Thou know'st,**

کیونکر نہ کروں شکر خدائے دو جہاں کا　　بخشا ہے مرے دل کو مزا سوزِ نہاں کا
یکساں ہے مسرت کا محل ہو کہ فغاں کا　　ہو نارِ جہنم بھی تو لطف آئے جناں کا
ہوتی ہے خوشی صحت و آزار سے مجھ کو
خلعت یہ ملا ہے، تری سرکار سے مجھ کو

ورجل اپنی ایپک ''اینیڈ'' میں ایک جگہ اپنے نقطۂ نظر سے تخلیق و آفرینش کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے، تحت الثراء میں واقع دار سکون کا ملکوتی نقشہ کھینچتا ہے کہ یہاں نور کے سیلاب، اور آب و تاب کو وسیع ہوا نے لپیٹا ہوا ہے۔

اس سے ملتی جلتی ملکوتی فضا جوشؔ کے مرثیہ کے اس بند میں ملتی ہے:۔

بے چین ظلمتوں میں بھبکتی ہوئی فضا　　نوکارِ ضو کی سر سے ڈھلکتی ہوئی ردا
کہرے کی وادیوں سے جھلکتی ہوئی ضیا　　جس طور سے کہ بھاپ کی چادر میں آئینہ
گویا نقاب جلوۂ جاناں لئے ہوئے
یا شمع ہے کوئی، تہ داماں لئے ہوئے

ورجل کہتا ہے:

**Here an ampler air clothes the plains, with**

**brilliant light, and always they see a sun**

**and stars which are theirs own**

عرفانی شاعری ہی کے تحت، دیکھیں کہ ایک جگہ Happy Worrier میں گویا نفس مطمئنہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے ورڈز ورتھ کہتا ہے:

**Whose high endeavours are an inword light**

**that makes the path before him britght.**

اور جوشؔ کہتے ہیں:

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دمبدم　　دشتِ ثبات و عزم ہے دشتِ بلا دغم
صبرِ مسیح و جراتِ سقراط کی قسم　　اس راہ میں ہے صرف اک انسان کا قدم

جس کی رگوں میں آتشِ بدر و حنین ہے
اس سورما کا اسم گرامی حسین ہے

اسی طرح مناظر فطرت کو دیکھتے ہیں کہ شام کا وقت شفق کے چہرے پر رنگوں کا ایک جہان بکھیر دیتا ہے۔ جیسے چرچل کچھ یوں کہتا ہے کہ گویا کوئی عظیم مصور اپنے وجدانی لمحوں میں تصویر کے آخری نقوش مکمل کر رہا ہو، اور گہرے سرخ و نارنجی رنگوں کی آمیزش سے روشنی کو ابھار کر سارے منظر کو زندگی بخش رہا ہو۔

**Just before the sunsets towords the western clift ,a delicious**

**flush brightens and enlievn the landscape.**

**It is thought some titanic a**

**rtist in an hour of inspiration were retouching the picture**

**strengthening the light on the sands,**

**gilding and beautifying every thing, and making the whole**

**scene live.**

گردوں اِدھر طلائی تو اس سمت نقرئی — یہ پارہ سروئی ہے تو وہ پارہ سرمئی
اک گوشہ کھتی ہے تو اک گوشہ پستئی — مغرب جو اگرئی ہے تو مشرق ہے چمپئی
کانٹے پہ دلبری کے فضائیں تلی ہوئیں
تا دور زلف و رخ کی دکانیں کھلی ہوئیں

صبح کا ذکر کرتے ہوئے ورڈز ورتھ کہتا ہے کہ صبح کا ابھرتا ہوا سورج موتیوں جیسی سفیدی کے ساتھ تابانی بکھیرتا جاتا ہے۔

**A blue shy bends o're yarrow vale,**

**Save where that pearly whiteness,**

**Is round the rising sun diffused,**

**A tender haze berightness.**

جب چہرۂ افق سے اٹھی سرمئی نقاب　　کانپے نجوم، زرد ہوا روئے ماہتاب
کھنکے فلک کے جام کھلے سرخیوں کے باب　　اڑنے لگا عبیر، برسنے لگی شراب
رنگوں کی آب و تاب چرانے لگی فضا
آہستگی سے ہوش میں آنے لگی فضا

اس کے نتیجہ میں نہ صرف زمین وآسمان منور ہوتے چلے جاتے ہیں، بلکہ ساری چیزیں، جہاز معبد خانہ وغیرہ بھی۔

**Ships, Tower, Domes, theatres, and temples**

**Open into the fields, and the sky,**

**All bright and glittering in the jmokelss air**

غنچوں کی حیا، گل کی ہنسی اوس کے گوہر زرتار شفق، سرد ہوا، باغ معطر
رنگین گھٹا، قوس قزح، مہر منور نغمے یہ پرندوں کے، پہاڑوں کے یہ منظر
ہے کون سی خوبی جو مہ نو میں نہیں ہے
کیا باغ ارم، صبح کے پرتو میں نہیں ہے؟

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ فلسفیانہ خیالات ہمیشہ سے شاعری میں جگہ پاتے رہیں ہیں۔ لہٰذا خدا کا وجود، اپنی ہستی وخستی کا احساس، حریت وانقلاب، تنقید واحتجاج، جیسے فکری عناصر نے اردو مرثیہ میں بھی جگہ پائی، اوراس کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ مثلاً جیسا ٹینی سن نے کہا ہے:۔

**The Sun, the moon, the stars, the seas, the hills and plains,Are not these a soul! the vision of Him who reigns.**

ہاں وہ حسین جس کا ابد آشنا ثبات　　کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات
یعنی درونِ پردۂ صد رنگِ کائنات　　اک کارساز ذہن ہے، اک ذی شعور ذات
سجدوں سے کھینچتا ہے جو "معبود" کی طرف
تنہا جو اک اشارہ ہے "معبود" کی طرف

اگر مرثیہ کے وسیع مضامین کو دو لفظوں میں سمیٹا جائے تو وہ "زندگی اور موت" کہلائینگے۔ زندگی کی نقاب کشائی کرتے ہوئے کولرج کہتا ہے۔

And now it was like all instruments,

Now like a lonely flute;

And now it is an angel's song,

That makes the heavens be mute.

زندگی باگیسری، سارنگ، دیپک، سوہنی بت تراشی، رقص، موسیقی، خطابت شاعری
پنکھڑی، تجلی، صنوبر، دوب، نسریں، چاندنی لاجونتی، شربتی، دھانی، گلابی، چمپئی

زعفرانی، آسمانی، ارغوانی زندگی

لاجونتی، مدھ بھری، کومل سہانی زندگی

اور موت کا چہرہ......! تو کولرج نے موت کا بھیانک چہرہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔

Is that a Death?................

Her lips were red, her looks were free,

Her locks were yellow as gold

Her Skin was as white as lepnosy

موت، صحرا، دشت، ریگستان، بن بیئر سراب بےخودی، وحشت، شکست، قاہری، دشت عذاب
خوف، از خود رفتگی، بیگانگی، غیبت، حجاب ایک حسرت خیز غفلت، ایک عبرتناک خواب

ایک ڈائن زندگی کی سمت منہ کھولے ہوئے

آستین الٹے ہوئے، تیغ دو دم تولے ہوئے

The Night more, life- in Death was she

who thicks main's blood with card

شیر افگن، بازوؤں کو بے سکت کرتی ہے موت

ماتمی ہاتھوں کی ضربت پر حرت کرتی ہے موت

فلسفیانہ اظہار خیال کے تحت ہی، بھگوان شری کرشن اپنے پند و وعظ ''بھگوت گیتا'' میں ارجن کو صراط مستقیم کی تعلیم دیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ خدا کو وہ شخص عزیز ہے جو رنج و خوشی میں یکساں طور پر ثابت قدم رہتا ہے اور جو دوست اور دشمن پر یکساں مہربان ہوتا ہے۔

**One who is equal to friends and enemies,... engeged in devotional services - such a person is very dear to me.**

دوست تو دوست ہے دشمن سے بھی نفرت نہ رہے | بات تو جب ہے کسی فرد سے وحشت نہ رہے
عقل کی ہے یہ نجابت کہ عداوت نہ رہے | دل ہو یوں صاف کہ امکانِ کدورت نہ رہے

شہر وحدت میں نبرد حرم و دیر نہیں
صحت فکر اگر ہے تو کوئی غیر نہیں

شری کرشن چونکہ ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق اوتار ہیں، اس لئے خدا کی جگہ وہ صیغہ واحد متکلم کا استعمال کرتے ہیں، وہ مزید کہتے ہیں کہ:

**One who is not envious, but a kind friend to all living entities ... is free from fals ego... tolerant... satisfied... his mind and intellagence fixed on Me - such devotee of mine is very dear to me.**

قاتل بھی ہو رہا ہو اگر پیاس سے نڈھال پانی اسے پلا کہ یہی ہے رہ کمال
دشمن بھی گر رہا ہو تو ہاں دوڑ کر سنبھال تھوکے بھی کوئی منھ پہ تو ماتھے پہ بل نہ ڈال

دل کی سپر پہ غیظ کا ہر وار روک لے
تارِ نگاہِ لطف پہ تلوار روک لے

الغرض ایک رنگارنگی ہے جو صنفِ مرثیہ میں پائی جاتی ہے، اور ایسی ہی رنگارنگی جوش کی شاعری کو بھی امتیاز و افتخار بخشتی ہے۔

محترم جناب اشرف عباس

ایم ایڈ۔ پرنسپل ماڈل گورنمنٹ ہائی اسکول (ر)

جناب اشرف عباس محکمہ تعلیم سے وابستہ رہے۔ آپ کہنہ مشق شاعر ہیں ملک کے گوشہ گوشہ میں آپ کی نعت خوانی کی گونج ہے۔ بلا تفریق مذہب آپ مقبول و ہر دلعزیز ہیں۔ دنیائے شیعیت میں سلام خوانی کے سبب آپ کا ایک منفرد مقام ہے۔

ماجد عفی عنہ

# شاعر انقلاب حضرت جوشؔ ملیح آبادی

اشرف عباس

میرا خیال ہے کہ میں اس لحاظ سے انتہائی خوش قسمت انسان ہوں کہ میں نے دنیائے اردو ادب کی اس عظیم شخصیت کو انتہائی قریب سے دیکھا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں نوجوانی کے دور سے گزر رہا تھا اور میرے والد مرحوم منور عباس کے حلقۂ دانشوراں او رگروہ سخنوراں میں جوشؔ صاحب کا گراں قدر اضافہ ہوا اور پھر سلسلہ اس حد تک پہنچ گیا کہ میرے گھر پر شاعری کے حوالے سے کوئی تقریب ہو، ناممکن ہے کہ اس میں جوشؔ صاحب موجود نہ ہوں۔ اردو کے مایہ ناز شاعر جناب آرزوؔ لکھنوی کے انتقال کے بعد میرے والد، جناب سید آل رضا، جناب مرزا حامد لکھنوی، جناب رعنا اکبر آبادی، جناب عزم جونپوری، جناب ظفر جونپوری اور چند دیگر احباب نے انجمن آرزو کے نام سے ایک انجمن شعر وسخن قائم کی جس کے تحت ہر ماہ کے آخری اتوار کو طرحی محفل مشاعرہ منعقد ہوتی تھی۔ ابتدا میں یہ مشاعرے انجمن کے اراکین کے گھروں پر باری باری ہوا کرتے تھے۔ بعد میں یہ فیصلہ ہوا کہ ہر ماہ یہ میرے غریب خانے پر ہوں گے اور ظاہر ہے جوشؔ صاحب ان مشاعروں کے روح رواں ہوتے تھے یہی وہ مشاعرے تھے جن میں جوشؔ صاحب نے طرحی غزلیں کہیں اور پڑھیں۔ اور یہیں سے میں جوشؔ صاحب کو قریب سے دیکھنے اور جاننے کے قابل ہو سکا۔

بات یہ ہے کہ جوشؔ صاحب نے ہمیشہ خود کو ایک کھلی کتاب کی طرح پیش کرنے کی سعی کی اور اپنی نظم ونثر دونوں میں کھل کر اپنی زندگی کے نشیب فراز اور گرم و سرد کا تذکرہ بڑے تسلسل کے ساتھ کیا لیکن ان ساری تحریروں کی مدد سے بھی کوئی ایک فرد ان کی شخصیت کی مکمل تصویر بنا لینے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، میں نے جیسا کہ عرض کیا، انھیں بہت قریب سے دیکھا تھا، میں یہ بات آسانی سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ شاعرانہ اوصاف کے علاوہ خوش گفتاری کا ہنر بھی رکھتے تھے۔ نکتہ آفرینی، لفظوں کا تخلیقی برتاؤ اور بذلہ سنجی ان کی ہر نشست کی خصوصیات میں

شامل تھی۔

جوشؔ نے انقلاب، شباب سیاست، مذہب، سائنس، نفسیات، تہذیبی و معاشرتی اقدار۔ غرض ہر زاویہ سے اپنا گہرا اور زندہ تعلق برقرار رکھا۔ ان کی فکر اور تخیل کی پرواز اتنی بلند تھی کہ اس تک رسائی حاصل کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ خود ایک جگہ کہتے ہیں۔

الفاظ کے سر پر نہیں اڑتے معنی
الفاظ کے سینوں میں اتر کر دیکھو

اس میں کوئی شک نہیں کہ جوشؔ عظمتِ انسانی کا نقیب تھا۔ خلوص و محبت کا پیکر تھا۔ وہمی خداؤں کے طلسم توڑنے والا۔ عظیم ترین انقلابی شاعر، ادیب، فلسفی، حیات، شباب، حسن اور مسرتوں کا پیغامبر، بڑے سے بڑے جابر حاکم کے سامنے سربلند رکھنے والا۔ معمولی سے معمولی آدمی کے سامنے انکسار سے جھکنے والا۔ اردو زبان کی صحت و ناموس کے تحفظ کا سپاہی، شرافت اور تہذیب کے اقدار کا محافظ وہ عظیم انسان ہے جس نے ہمیشہ الوہیت آدم کے خواب دیکھے خود اسی کے الفاظ میں

جو مضطرب ہے پئے منصب الوہیت
اب آؤ جوشؔ کی اس آرزو کی بات کریں

## جناب سید حمید حسین صاحب قبلہ مدظلہ،

سندالافاضل (سلطان المدارس لکھنو انڈیا)

انتہائی خلیق، دردمند، صاحب بصیرت، اخلاقی و تعلیمی اور انسانی اقدار اعلیٰ کا نمونہ ہیں۔ لکھنو کے شباب کے دور کے عینی گواہ ہیں موصوف اپنی گفتگو میں علم و فراست کے موتی بکھیرتے ہیں۔ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رہے آمین آپ نے مجھ سے بیان فرمایا تھا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ جب مولانا سید راحت حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ، مجتہد گوپالپوری لکھنو تشریف لاتے تھے تو لکھنو کے تمام علماء کرام ان کی تعظیم و تکریم میں پیش پیش ہوتے تھے۔

ماجد عفی عنہ

# جوشؔ کی ایک مجلس کا چشم دید حال

حمید حسین جونپوری

**مجملا محمدلا مصلیا مسلما**

مین اوائل عمر سے بسلسلہ تعلیم سلطان المدارس لکھنو میں مقیم رہا۔

میرے مشاغل ہر طرح کے جلوس، جلسہ اور بڑی مجلس میں شرکت تھا چنانچہ امام باڑہ ناظم حسین میں اعلان ہوا کہ حیدرآباد کے مشہور ذاکر رضا حسین صاحب دکھنی ۳ مجالس عزاء سے خطاب فرمائیں گے میں تینوں مجالس میں شریک ہوا میرے لئے حیرت انگیز بات ہوئی کہ تینوں مجالس میں نہج البلاغہ سے پڑھا گیا میں نے زندگی میں کسی ذاکر کو ایسا پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔

میں سندالافاضل کا طالب علم تھا اور میرے نصاب میں نہج البلاغہ تھی میرے استاد مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی تھے جو شعبہ ادب کے استاد بلکہ سربراہ تھے اور تمام ہندوستان کے مایہ ناز ذاکر بھی تھے جن کے علم وخطابت کا ڈنکا پورے ہندوستان میں بجتا تھا

-

میں نے اپنے استاد الکلام سے عرض کیا آپ تمام ذاکرین پر اتا گھٹا پیا خطبہ پڑھتے ہیں جو تقریباً مجھے یاد بھی ہے دکھن کے ذاکر نے سکہ جما دیا تمام حاضرین بے حد متاثر ہوئے میرے استاد نے سلسلہ کلام کو ختم کرنے کے لئے صرف اتنا کہا کہ دکھن کے ذاکر نے خطبہ نہج البلاغہ سے پڑھا اور میں نہج البلاغہ پڑھاتا ہوں بعد میں یہی ذاکر علامہ رشید ترابی کے نام سے پکارے گئے اور دنیائے شیعت کے سب سے بڑے خطیب رعالم کے نام سے پہچانے گئے قیام پاکستان سے قبل ایک اور مجلس امام باڑہ ناظم حسین صاحب مرحوم میں منعقد ہوئی اور اعلان ہوا اس مجلس میں حضرت جوشؔ ملیح آبادی اپنا مسدس پڑھینگے نہایت شدید گرمی تھی جوشؔ صاحب سفید پوش رونق افروز منبر ہوئے گرمی کا یہ عالم تھا پسینہ جوشؔ صاحب کی شیروانی سے

باہر نظر آ رہا تھا آج تو جوش صاحب اسم بامسمہ نظر آ رہے تھے تمام سامعین ہمہ تن گوش داد سخن دے رہے تھے آج جوش صاحب کا رنگ بالکل مختلف نظر آ رہا تھا بہرحال مسدس کے آخری بندوں تک آ گئے جب اس بند پر پہنچے تو عالم بیتابی میں اپنا سر پیٹنے لگے

تو اور تیرے حلق پہ تلوار ہائے ہائے
زینبؑ کا سر کھلے سر دربار ہائے ہائے

دو چار حاضرین نے ان کا ہاتھ تھام لیا وہ دیر تک خاموش رہے۔ آخری مصرع بھی بڑے جوش میں پڑھا

انسان اس طرح اتر آئے عناد پر
لعنت خدا کی مذہب ابن زیاد پر

زیر منبر جوش صاحب کا مخصوص حلقہ احباب موجود تھا اولین ایک بزرگ مرزا جعفر حسین وکیل بھی تشریف فرما تھے جنھوں نے بڑی بے تکلفی سے کہا جوش صاحب آج آپ نے ابن زیاد کے اسلام پر لعنت بھیجی جوش صاحب نے بڑے تلخ لہجہ میں کہا کہ اگر ابن زیاد کا مذہب اسلام تھا تو میں نے اسی اسلام پر لعنت بھیجی ہے بلکہ بھیجتا ہی رہوں گا جعفر صاحب آپ نے اسلام کو خوب پہچانا ایک زبردست قہقہہ لگا اور مجلس ختم ہو گئی۔

راقم الحروف

سید حمید حسین

F/29 رضویہ سوسائٹی ناظم آباد کراچی

# عزادارِ حسینؑ

## حضرتِ جوشؔ ملیح آبادی

سید زوار حسین نقوی

آج سے ۱۴سو سال پہلے سرزمین کربلا پر ایک صدا بلند ہوئی تھی۔

مرا حسینؑ ابھی کربلا نہیں پہنچا

میں حرؑ ہوں اور ابھی لشکر یزید میں ہوں

جناب حرؑ نے ۱۴سو سال پہلے جو بات سرزمین کربلا پر کہی وہ قیامت تک کے لیے ایک حریت کا پیغام ہے۔ جو یزید کے منہ پر طمانچہ ہے۔ اور ہر آنے والا قیامت تک کے لیے حسینیت کا نام لینے والا کچھ اس طرح سے آتا چلا جائیگا کہ جس کے لبوں پر صدائے حسینؑ ہوگی۔ اور یہ کہہ رہا ہوگا کہ حق کا سیدھا راستہ کربلا، کربلا۔

ہم جب ہندوستان کی عزاداری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہندوستان کے وہ جید علماء جن پر ہماری شیعت کا انحصار ہے۔ ان کی ایک طویل فہرست موجود ہے جس میں ناصر الملت، نجم الملت جیسے علماء موجود ہیں۔ اسی طرح ہم جب شعراءِ اکرام پر نظر ڈالتے ہیں تو بے شمار شعراء حضرات کی فہرست ہے۔ جس میں میر انیس، مرزا دبیر، جیسے شعراء ہیں۔

میر انیس، مرزا دبیر اپنے دور کے اتنے بلند و بالا شاعر تھے کہ جو قیامت تک شعراء کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اس کے بعد اگر ہندوستان کی سرزمین پر کوئی شاعر نظر آتا ہے جو کچھ اس طرح سے کہہ رہا ہو۔

مولائے کائنات اور آواز دے مجھے

اے جبرئیل قوت پرواز دے مجھے

اس بلند و بالا شخصیت کا نام ہے حضرت جوشؔ ملیح آبادی۔ جناب جوشؔ ملیح آبادی نے اپنی زندگی کی سوانح حیات اپنی کتاب "یادوں کی برات" میں تفصیل سے رقم کی ہے۔ اور

انتہائی ہمت اور حوصلے کے ساتھ تحریر کی ہے، مجھ جیسا انسان بھی اگر اپنی سوانح حیات لکھے تو اس ایمانداری اور سچائی کے ساتھ نہیں لکھ سکتا۔ اور میں حیران ہوں ان لوگوں پر جو جوشؔ ملیح آبادی کی اس کتاب پر تنقید کرتے ہیں کہ یہ وہ کتاب ہے جس کو گھر میں نہیں رکھنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ اپنی اس تعصب کی عینک کو اتار کر پڑھیں تو شاید یہ کتاب ان کی سمجھ میں آجائے۔

میں نے جب ان کی کتاب ''یادوں کی برات'' کا مطالعہ شروع کیا اور صفحہ نمبر 201 پر جو خواب انہوں نے تحریر کیا ہے۔ جس میں انہیں حضورؐ کی زیارت ہوئی۔ وہ پورا خواب پڑھا تو میں نے اس کتاب کو بوسہ دیا۔ اور یہ دعا کی کہ یا رسول خداؐ مجھے بھی اپنی زیارت سے مشرف کیجئے (آمین)

خصوصاً جوشؔ ملیح آبادی نے واقعہ کربلا پر جو کلام رقم کیا ہے۔ وہ کلام اپنی مثال آپ ہے۔ اور اگر کوئی شخص زندگی میں چہاردہ معصومینؑ شہدائے کربلا کی سیرت پر کچھ تحریر کرتا ہے تو یہ ہمارا ایمان ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھتا جب تک اس کو آئمہ طاہرین کی طرف سے تحریر کرنے کی اجازت نہ مل جائے اور قیامت تک جب بھی جوشؔ ملیح ابادی کا کلام پڑھا جائے گا۔ تو بطفیل پنجتن پاک، چہاردہ معصومینؑ انکے درجات بلند ہوتے جائیں گے۔ اور خاص طور پر واقعہ کربلا پر جو کلام لکھا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

محشر میں فکر سب کو ہے فردوس کی مگر
رضوان یہ ڈھونڈتا ہے عزادار کون ہے

خاکپائے اہلبیتؑ
سید زوار حسین نقوی

# شاعرِ انقلاب بارگاہِ امام حسینؑ میں

سید ارتضیٰ عباس نقوی

''عقیدہ''، ''عقیدت''، ''عقائد''، ''اعتقاد''، ''معتقد'' یہ تمام الفاظ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کا موجد ''عقد'' ہے۔ ''عقد'' عربی میں ''گرہ'' لگانے کو کہتے ہیں۔ عقیدہ بھی ان ہی افکار اور خیالات کا نام ہے جس پر گرہ کی مانند پختہ اور کامل یقین رکھا جائے۔

اگر عقیدے کی اقسام کا تذکرہ کیا جائے تو اس ذیل میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اور ایک طویل فہرست ہمارے پاس موجود ہے لیکن اگر کسی ایسے شخص کے عقیدے کے حوالے سے گفتگو زیرِ بحث آئے جو ''شاعر'' ہو تو اس کے عقیدہ تک پہنچنے کے دو ہی ذرائع ہو سکتے ہیں:

۱۔ اس کا کلام

۲۔ اس کے خود نوشت حالاتِ زندگی

یہاں شاعر کے ''اہلِ خانہ'' اور ''احباب'' کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے چونکہ ان دونوں سے شاعر کی زندگی کا گہرا تعلق وابستہ ہوتا ہے لیکن اگر اس کا کلام اور خود نوشتہ سوانح محفوظ ہو تو وہی اس کے عقیدہ کو سمجھنے کا سب سے معتبر اور مستند ذریعہ ہوں گے۔ اس کتاب میں ہمارے ماجد صاحب نے جوشؔ کے عقیدے کے حوالے سے مواد اکٹھا کیا ہے جس میں ''یادوں کی برات'' سے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ قارئین ان صفحات میں وہ تمام مواد یکجا صورت میں دیکھ سکتے ہیں جو جوشؔ کے عقیدے کے حوالے سے ''یادوں کی بارات'' میں موجود ہے۔ لیکن ہم یہاں ان کے کلام بلاغت نظام کی مدد سے ان کے عقائد پر گفتگو کریں گے لیکن یہ موضوع اتنا مختصر نہیں کہ چند صفحات میں سمٹ جائے اور اس پر سیر کامل گفتگو کی جا سکے چونکہ جوشؔ کے عقائد میں توحید بھی ہے، نبوت بھی ہے، امامت بھی ہے، قیامت بھی ہے، پھر قرآن، غیبی مخلوق، جنت، دوزخ اور اخلاقی موضوعات اس کے علاوہ ہیں اگر ہر موضوع کا

تفصیل سے جائزہ لیا جائے تو ضخیم کتاب ترتیب پا جائے گی لیکن ہم نے ان تمام موضوعات میں سے صرف ایک موضوع کا انتخاب کیا ہے اور جو جوشؔ کے کلام کا سب سے نمایاں پہلو بھی ہے یعنی ہم یہ دیکھیں کہ جوشؔ امام حسینؑ کی بارگاہ میں کس طرح خراج پیش کرتے ہیں اور کربلا کے لئے انھوں نے کیا کہا اور کیا افکار اور پیغامات پیش کئے...... یہی فکری کڑیاں جوشؔ کے وہ عقائد ہیں جو امام حسینؑ کے حوالے سے انہوں نے دنیا کے سامنے بلا کسی خوف اور جھجک کے پیش کئے۔

شبِ عاشور:

جوشؔ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے دسویں کی رات کو "حیاتِ نو کا عنوان" بنا کر نوعِ بشر کو حیاتِ ابدی کا راز بتا دیا۔

ہاں ہاں وہ رات، وحشت و بیم و رجا کی رات افسونِ جاں کنی و طلسمِ قضا کی رات
لب تشنگانِ ذریتِ مصطفٰی کی رات جو حشر سے عظیم تھی وہ کربلا کی رات
شبیرؑ نے حیات کا عنواں بنا دیا
اس رات کو بھی مہرِ درخشاں بنا دیا

دوسرے مقام پر کہتے ہیں:

وہ رات، وہ فرات وہ موجوں کا خلفشار عابد کی کروٹوں پہ وہ بے چارگی کا بار
آنکھوں کی پتلیوں سے عیاں وہ دلوں کے داغ پر ہول ظلمتوں میں وہ سہمے ہوئے چراغ
اصغرؑ میں پیچ و تاب نہ تھا اضطراب کا
وہ دل دھڑک رہا تھا رسالت مآب کا

وہ رات، جب امام کی گونجی تھی یہ صدا اے دوستانِ صادق و یارانِ باصفا
باقی نہیں رہا ہے کوئی اور مرحلہ اب سامنا ہے موت کا اور صرف موت کا
آنے ہی پر بلائیں ہیں اب تحت و فوق سے
جانا جو چاہتا ہے، چلا جائے شوق سے

اور سنتے ہی یہ بات بصد کرب و اضطراب شبیرؑ کو دیا تھا یہ انصار نے جواب

دیکھیں جو ہم یہ خواب بھی اے ابن بوترابؑ    واللہ فرطِ شرم سے ہو جائیں آب آب

قرباں نہ ہو جو آپ سے والا صفات پر
لعنت اس امن وعیش پہ تف اس حیات پر

### ذبحِ عظیم سوائے امام حسینؑ کے کوئی نہیں

حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی ''ذبح عظیم'' سے بدل گئی۔ اس عہدۂ جلیل پر صرف امام حسینؑ کے کوئی دوسرا پورا نہیں اترتا......یہ اللہ کا خاص انتخاب تھا......

واحد جو اک نمونہ ہے ذبحِ عظیم کا
اللہ رے، انتخاب خدائے حکیم کا

### سجدۂ شبیرؑ وجودِ خدا کی دلیل ہے

جوشؔ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے وقتِ آخر جلتی ہوئی ریتی پر اپنی پیشانی رکھ کر جو یادگار سجدہ ادا کیا وہ ایک خدا کے وجود کی دلیل بن گیا۔

ہاں وہ حسینؑ، جس کا ابد آشنا ثبات    کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات
یعنی درونِ پردۂ صد رنگِ کائنات    اک کارساز ذہن ہے، اک ذی شعور ذات

سجدوں سے کھینچتا ہے جو ''مسجودؑ'' کی طرف
تنہا جو اک اشارہ ہے ''معبودؑ'' کی طرف

### امام حسینؑ نے خدا کی بات رکھ لی

جس کی جبیں پہ کج ہے خود اپنے لہو کا تاج    جو مرگ و زندگی کا ہے اک طرفہ امتزاج
سر دے دیا، مگر نہ دیا ظلم کو خراج    جس کے لہو نے رکھ لی تمام انبیاء کی لاج

سنتا نہ کوئی دہر میں صدق و صفا کی بات
جس مردِ سرفروش نے رکھ لی ''خدا'' کی بات

### خونِ حسینؑ ابن علیؑ

جوشؔ کی نظر میں امام حسینؑ کے ناحق بہنے والے خون کی عظمت کیا ہے؟ وہ اسے کن کن

زاویوں سے دیکھتے ہیں اور پھر ان کی نظر میں اس خون کی کیا خصوصیات تھیں اور اسلام پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے انہیں کی زبانی سنئے......

تیرگی کی جیب میں تھی دولتِ شمس و قمر جل رہا تھا خانۂ دیدۂ فکر و نظر
زندگی پر یوں جہنم کا تسلط دیکھ کر اک عظیم انسان بہرِ خدمتِ نوعِ بشر
رنگ بھرنے زندگی کے نقش میں قانون کا
دوش پر لے کر سبو آیا خود اپنے خون کا

جسکے ہر قطرے میں تھی قلزم کی طغیانی وہ خون کاہ جس کی راہ میں تھا کوہ سلطانی وہ خون
جس کے آگے خسروی کی آگ تھی پانی وہ خون غرق ہو کر رہ گئی جس میں جہاں بانی وہ خون
جس کی موجوں میں خمِ تیغ و مزاجِ سنگ تھا
نوحؑ کا طوفان جس کے دبدبے سے دنگ تھا

جولوائے عزم واعلانِ صداقت تھا وہ خون جو چراغِ حکمت و شمعِ ہدایت تھا وہ خون
خاک پر جو آبشارِ آدمیت تھا وہ خون جو علیلِ انسانیت کا غسلِ صحت تھا وہ خون
جس نے ظلمت کو خیابانِ چراغاں کر دیا
کفر پر وہ رنگ برسایا کہ ایماں کر دیا

جو طبیب و چارہ سازِ نوعِ انساں تھا وہ خون گردنِ قاتل پہ جو شمشیرِ براں تھا وہ خون
ساغرِ مقتول میں جو آبِ حیواں تھا وہ خون جو نبوت کے ادارے کا نگہباں تھا وہ خون
عرصۂ آفاق جس کی وسعتوں پر تنگ تھا
جس کے پرتو سے رخِ پیغمبری گل رنگ تھا

جس میں غلطیدہ تھا اوجِ روحِ انسانی وہ خون جس میں تھی روح الامیں کی بال جنبانی وہ خون
جس میں تھی مہرِ نبوت کی درخشانی وہ خون دیکھتے تھے جس میں منہ آیاتِ قرآنی وہ خون
جس کی ہر اک بوند میں طوفان صدا آہنگ تھا
جس میں روئے مرتضیٰؑ و مصطفیٰؐ کا رنگ تھا

چرخ پر مانندِ ابرِ کعبہ جو چھایا وہ خون جس نے روحِ نوعِ انسانی کو چونکایا وہ خون

ڈوبتے قرآن کو ساحل پہ جو لایا وہ خون　　خود مشیت کے جو آڑے وقت کام آیا وہ خون

کاٹ کر باطل کا سر اپنی انوکھی دھار سے

جس نے یزداں کو بچایا اہرمن کے وار سے

بنت پیغمبر کی جس میں نوحہ خوانی تھی وہ خون　　زینبؑ و کلثومؑ کی جس میں کہانی تھی وہ خون

پھول سے بچے کی جس میں بے زبانی تھی وہ خون　　قاسمؑ و اکبرؑ کی جس سے نوجوانی تھی وہ خون

جس کی ہر اک بوند میں یادِ علم بردار تھی

جس سے اک بیمار کی زنجیر میں جھنکار تھی

واقعۂ کربلا سقیفہ کا نتیجہ ہے

جوشؔ کی عمیق فلسفیانہ فکر اس مرکز تک پہنچ گئی تھی جہاں سے کربلا کے علل و اسباب کا آغاز ہوا تھا۔ بعد رسولؐ جو کچھ ہوا اسی کے نتیجے میں ایسے حالات پیدا ہوئے جن کے سبب واقعہ کربلا وقوع پذیر ہوا...... جوشؔ نے ان منافقین کے چہروں کی نقابیں چاک کر ڈالیں......

اہلِ دل سے کہہ رہی ہے یہ مورخ کی زباں　　بعد پیغمبر ہوئی تھیں کس طرح سرگوشیاں

چھا گیا تھا ہر طرف کس طرح دولت کا دھواں　　کیا دبے پاؤں چلے تھے سازشوں کے کارواں

اب بھی ان امواج میں ڈوبی پڑی ہے کربلا

ہاں انھیں کی ایک تاریخی کڑی ہے کربلا

کربلا میں دشمنی رسولؐ کھل کر سامنے آ گئی

جوشؔ کہتے ہیں کہ کربلا میں امام حسینؑ پر حملہ آور ہونے والی فوج جفا کار فقط ان ہی کی دشمن نہ تھی بلکہ امام حسینؑ سے ان کی یہ دشمنی "دشمنی رسولؐ" کے سبب تھی...... جو ۶۱ھ میں کھل کر سامنے آ گئی۔

وہ نہ تھا اتفاد طیش حق کا صوتی ارتعاش　　مصطفیٰؐ سے دشمنی کا وہ ہوا تھا راز فاش

خیمۂ شبیرؑ کو گھیرے نہیں تھے بدقماش　　گردنِ حق کے لئے تھی ریسماں کی وہ تلاش

اشقیاء جھپٹے نہ تھے ابن شہ لولاکؐ پر

اصل میں بت آستینوں سے گرے تھے خاک پر

## امام حسینؑ کی پیشانیِ اقدس

اے حسینؑ ابن علیؑ اے شہِ یزداں صفات　نور سے تیرے جھلکتی ہے جبینِ کائنات
محو ہو جائیں اگر دنیا سے تیرے واقعات　گنبدِ تاریخ پر چھائے ہیبت ناک رات
بھول سکتا ہی نہیں انسان قربانی تیری
حافظے کے فرق کا جھومر ہے پیشانی تیری

## پیغامِ شبیرؑ زمانے کو بدل سکتا ہے

سورما فتنۂ باطل کو دبا دیتے ہیں　خون دہکے ہوئے ذرّوں کو پلا دیتے ہیں
اپنی گودوں کے چراغوں کو بجھا دیتے ہیں　اپنے چاندوں کو اندھیروں میں سلا دیتے ہیں
مثلِ شبیرؑ جو پیغامِ عمل دیتے ہیں
ایسے ہی لوگ زمانے کو بدل دیتے ہیں

## کربلا کیا ہے؟

کربلا اب بھی ہے اک ہوش ربا انگارا　اپنے پانی میں لئے آگ کا جولاں آرا
برق و آتش کا ابلتا ہوا اک فوارا　ایک مڑتا ہوا خونِ شہداء کا دھارا
رنگ اڑتا نظر آتا ہے جہاں داروں کا
مینھ برستا ہے یہاں آج بھی تلواروں کا

کربلا آج بھی ہے ایک لگاتار پکار　ہے کوئی پیروی ابن علیؑ پر طیار
عصرِ حاضر میں یزیدوں کا نہیں کوئی شمار　تم مصلوں پہ دوزانو ہو، مسلح اشرار
شورِ ماتم میں کہیں تیغ کی جھنکار نہیں
لب پہ نالے ہیں مگر ہاتھ میں تلوار نہیں

کربلا میں ہے وہی شعلہ فشانی اب تک　آگ کی موج ہے تلوار کا پانی اب تک
تشنگی میں ہے وہی دجلہ چکانی اب تک　منچلوں کی ہے وہی زمزمہ خوانی اب تک

روئے ماحول پہ بانگوں کی وہ دھج ہے اب بھی
میرے سوئے ہوئے شیروں کی گرج ہے اب بھی

کربلا میں اثرِ باغ جناں آج بھی ہے
بوئے انفاسِ مسیحا نفساں آج بھی ہے
حسنِ رنگینیِ خونیں کفناں آج بھی ہے
صبح عاشور کی گل بانگِ اذاں آج بھی ہے
اک پُراسرار خموشی ہے پرافشاں ابتک
صبح کے دوش پہ ہے شامِ غریباں ابتک

اب بھی گو دھوپ کی شدت سے زمیں پھٹتی ہے
سوزنِ خاک شراروں کی ردا بنتی ہے
پھر بھی زروں سے ہوا لعل و گہر چنتی ہے
زندگی سیرت شبیرؑ پہ سر دھنتی ہے
رنگِ رخسارۂ تاریخ نکھر جاتا ہے
لب پہ جب نامِ حسینؑ ابن علیؑ آتا ہے

کربلا اب بھی سرِ دشت پہ لہراتی ہے
زلف کی طرح خیالات پہ بل کھاتی ہے
خامشی رات کو جس وقت کہ چھا جاتی ہے
دل زینبؑ کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
کبھی ظلمت میں جو کوندا سا لپک جاتا ہے
ایک قرآن بلندی پہ نظر آتا ہے

اب بھی اک سمت سے اٹھتا نظر آتا ہے دھواں
بیبیاں چند کھلے سر نظر آتی ہیں یہاں
ایک گوشے میں ہے گونجی ہوئی آوازِ اذاں
اک پھریرا ہے سیہ پوش فضا پر غلطاں
چند سائے نظر آتے ہیں خراماں اب بھی
ایک زنجیر کی جھنکار ہے لرزاں اب بھی

کربلا سر سے کفن باندھ کے جب آتی ہے
وسعتِ ارض و سماوات پہ چھا جاتی ہے
تند انفاس سے فولاد کو برماتی ہے
تمر و تیر کو خطرے میں نہیں لاتی ہے
چڑھ کے نیزے پہ دو عالم کو ہلا دیتی ہے
کربلا موت کو دیوانہ بنا دیتی ہے

کربلا اب بھی حکومت کو نگل سکتی ہے
کربلا تخت کو تلووں سے مسل سکتی ہے

کربلا، خار تو کیا، آگ پہ چل سکتی ہے     کربلا وقت کے دھارے کو بدل سکتی ہے
کربلا قلعۂ فولاد ہے جراروں کا
کربلا نام ہے چلتی ہوئی تلواروں کا

امام حسینؑ نے دشمنوں سے بھی ہمدردی کی

جوشؔ نوع بشر کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ کامل انسان وہ ہے جو اپنے دشمنوں سے بھی دوستوں جیسا برتاؤ کرے اور آئینۂ دل کو زنگِ کدورت سے پاک رکھے۔ اس سلسلے میں وہ امام حسینؑ کی مثال پیش کرتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ دشمن جانی تھے لیکن ان پر بھی امام حسینؑ کے لطف و کرم کا سایہ رہا۔

میر انیسؔ نے بھی کہا تھا:

تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

اور جوشؔ کہتے ہیں:

بات تو جب ہے کسی فرد سے وحشت نہ رہے     دوست تو دوست ہے دشمن سے بھی نفرت نہ رہے
دل ہو یوں صاف کہ امکانِ کدورت نہ رہے     عقل کی ہے یہ نجابت کہ عداوت نہ رہے
شہرِ وحدت میں خبرِ حرم و دیر نہیں
صحتِ فکر اگر ہے تو کوئی غیر نہیں

اپنے یاروں کی محبت ہے مزاجِ انساں     آپ بھی اپنے رفیقوں پہ ہیں گوہر افشاں
دل سے تھا شمر بھی اپنے رفقا پر قرباں     آپ اور شمر ہیں اس سطح پہ بالکل یکساں
ہاں جو دل میں چمنِ حبِ عدو کھل جائے
آپ کو سطحِ حسینؑ ابن علیؑ مل جائے

قافلے دھوپ میں جس وقت کہ چکراتے تھے     ہائے کیا دل تھا انھیں چھاؤں میں لے آتے تھے
داد، احسان کی ملتی تھی تو شرماتے تھے     تشنہ لب دیکھ کے دشمن کو تڑپ جاتے تھے

دشتِ بے آب میں کوثر کی روانی تھے حسینؑ
کشتِ انساں پہ برستا ہوا پانی تھے حسینؑ

## جوشؔ نے امام حسینؑ کو ڈھونڈ کے پایا ہے

جوشؔ کی امام حسینؑ سے محبت رسمی نہیں ہے بلکہ انہوں نے چشمِ معرفت سے امام حسینؑ کو تلاش کیا ہے۔ جوشؔ راہِ تسلیم و رضا میں ایک ایسے عظیم انسان کے متلاشی ہیں جس نے شوق سے مرحلۂ دار و رسن کو سر کیا ہو اور پھر وہ کہتے ہیں:

اک روز ہوا شوق مرے دل میں یہ پیدا　اس راہ سے گزرے ہیں جو نام آور و یکتا
حالات بھی کچھ ان کے میں دیکھوں کہ وہ تھے کیا　اس شوق میں تاریخ کے اوراق کو الٹا
فہرست میں اک نام تھا جو سب سے جلی تھا
مژدہ ہو کہ وہ نام حسینؑ ابن علیؑ تھا

## امام حسینؑ فخرِ انبیاء ہیں

جوشؔ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے منزلِ تسلیم و رضا کے دشوار مرحلوں کو اس شان سے سر کیا کہ جہاں تاریخِ انبیاء بھی پیچھے نظر آتی ہے:

ہر چند کہ ایوبؑ بھی اس فن میں تھے یکتا　یونسؑ نے بھی اک حد تک اسے خوب نبھایا
یعقوبؑ نے بھی زورِ تحمل کا دکھایا　پر سب سے رہا بڑھ کے محمدؐ کا نواسا
حیرت میں پیمبرؑ ہوئے وہ کر کے دکھایا
مرتے نہیں کس طرح، اسے مر کے دکھایا

## تقدیر جوشؔ کی نظر میں

اردو کے بہت سے شعراء "تقدیر" کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں بہت سے اشعار بھی پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن مضمون خاصا طویل ہو جائے گا بہر حال جوشؔ کا کمالِ فن دیکھیے کہ کیسے نازک موڑ پر انہوں نے "تقدیر اور تدبیر" کے فرق کو واضح کیا ہے:

حضرت نے جو زینبؑ کی سنی گریہ وزاری　چپ ہو گئے وہ قلب پہ حالت ہوئی طاری

تلواریں لگانے لگے بڑھ بڑھ کے جو ناری   مولا نے کہا شکر ہے اے ایزد باری
کٹتا ہے گلا بھائی کا شمشیر کے آگے
"تدبیر" سرخاک ہے "تقدیر" کے آگے

## لاشِ امامؑ پر رسول خداؐ کی فریاد

جوشؔ کہتے ہیں جب امام حسینؑ سجدہ خالق میں اپنا سر کٹا چکے تو گردوں سے رسول خداؐ کی آواز آئی:

تو اور سرِ خاک مرے گیسوؤں والے   یہ دل، یہ بلائیں، یہ زباں اور یہ چھالے
اس پیاس میں گردن پہ چھری جسم پہ بھالے   افسوس ہے اے فاطمہؑ کے ناز کے پالے
عبرت کا وہ منظر ہے کہ خود ظلم خجل ہے
یہ لاش نہیں خاک پہ اسلام کا دل ہے

سیدانیوں کے بیچ میں ہیں علیؑ مضطر   منھ دیکھتی ہے سب کا سکینہؑ ہے وہ ششدر
ہاتھوں سے جگر تھام کے کہتے ہیں پیمبرؐ   بیٹا! یہ ستمگر کی انی اور ترا سر
آثار ابھی تک مری الفت کے عیاں ہیں
اس حلق پہ اب تک مرے بوسوں کے نشاں ہیں

مصروف پیمبرؐ تھے ابھی آہ و بکا میں   آہستہ سے جنبش سی ہوئی موج ہوا میں
آواز اک آئی "نہ تڑپ دشت بلا میں"   سر رکھا ہے شبیرؑ کا حوروں کی ردا میں
اس خون کو ہر خون سے ممتاز کیا ہے
ہم نے ترے بچے کو سرفراز کیا ہے

## امام حسینؑ جوشؔ کی نظر میں

جو صاحب مزاج نبوت تھا، وہ حسینؑ   جو وارث ضمیر رسالت تھا، وہ حسینؑ
جو خلوتی، شاہد قدرت تھا، وہ حسینؑ   جس کا وجود، فخر مشیت تھا وہ حسینؑ
سانچے میں ڈھالنے کے لئے کائنات کو
جو تولتا تھا نوک مژہ پر حیات کو
جو اک نشانِ تشنہ دہانی تھا، وہ حسینؑ   گیتی پہ عرش کی جو نشانی تھا، وہ حسینؑ

جو خلد کا امیرِ جوانی تھا، وہ حسینؑ جو اک سنِ جدید کا بانی تھا، وہ حسینؑ

جس کا لہو تلاطم پنہاں لئے ہوئے
ہر بوند میں تھا نوحؑ کا طوفاں لئے ہوئے

جو کاروانِ عزم کا رہبر تھا، وہ حسینؑ خود اپنے خون کا جو شناور تھا وہ حسینؑ
اک دینِ تازہ کا جو پیمبر تھا وہ حسینؑ جو کربلا کا داورِ محشر تھا وہ حسینؑ

جس کی نظر پہ شیوۂ حق کا مدار تھا
جو روحِ انقلاب کا پروردگار تھا

روزِ محشر امام حسینؑ کی آمد

جوشؔ کہتے ہیں:

کچھ پھول سے تا دور کھلے جاتے ہیں کچھ سرخ علم سے ہیں کہ لہراتے ہیں
فرقِ آدمؑ پہ تاج رکھے سرِ حشر ہٹ جاؤ فرشتوں کہ حسینؑ آتے ہیں

اس سلسلے میں اب بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن ماجد صاحب کی مسلسل بڑھتی ہوئی علالت (چونکہ ان کا اصرار ہے کہ کتاب جلد از جلد شائع ہو جائے) اور پھر مضمون کی طوالت کے سبب ہم قلم کو اس مقام پر روکتے ہیں۔ حالانکہ کتاب میں شامل تمام مضامین جوشؔ کے عقیدے کے تذکروں سے خالی ہیں لیکن بہر حال کبھی موقع ہوا تو ہم جوشؔ کے کلام اور "یادوں کی بارات" کی مدد سے ان کے مکمل عقائد (توحید، نبوت، امامت، قیامت، قرآن، فرشتے، پیغمبر، وغیرہ) پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے، جو کہ بہت دشوار مرحلہ ہے۔

# مزاحمتی شاعری میں جوشؔ کا مقام

سید قمر عباس

ہفتہ ۱۱ جولائی ۲۰۰۹ء کو ممتاز انگریزی اخبار روزنامہ ڈان میں آرٹس کونسل میں 'مزاحمتی ادب' کے عنوان سے ہونے والے سیمینار کی روداد شائع کی گئی۔ اس سیمینار میں اہل علم و دانش نے مزاحمتی ادب کے حوالے سے اپنے افکار و خیالات کو مضامین، مقالوں اور نظموں کی صورت میں پیش کیا۔ فاضل مقالہ نگاروں نے اس ذیل میں غالبؔ، فیضؔ، حبیب جالبؔ، فہمیدہ ریاض، خالد علیگ سمیت چند مغربی شعراء اور پاکستان کی دیگر مقامی زبانوں کے شعراء کا بھی صحیح طور پر ذکر کیا۔ میرے لئے اس تقریب کی روداد میں جو بات حیرت کا باعث بنی وہ مزاحمتی ادب کے سلسلے میں برصغیر کی سب سے توانا آواز، جوشؔ ملیح آبادی کو نظر انداز کرنے کی تھی۔ کم از کم اخبار کی رپورٹنگ میں جن شعراء کے نام دیئے گئے ان میں جوشؔ ملیح آبادی کا نام شامل نہیں تھا۔

مزاحمتی شاعری کا ذکر ہو اور اس کی تاریخ بیان کی جائے مگر اس تاریخ میں جوشؔ کا ذکر نہ ہو تو وہ ادھوری تاریخ قرار دی جائے گی۔ جس طرح ادھورا سچ قبول نہیں کیا جاتا بالکل اسی طرح ادھوری تاریخ بھی رد کیے جانے کے قابل ہے۔ مزاحمتی ادب کی تاریخ جوشؔ کے بغیر ایک ایسا بحر ہے، جس کی لہر میں تموج نہیں۔ مزاحمتی شاعری کے سلسلے میں جوشؔ کا قدم اور جوشؔ کا قلم مسلسل مائل بہ ارتقاء رہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ جوشؔ اس سفر میں کہاں ہیں؟ تو میرا جواب ہے کہ وہ میر کارواں ہیں۔

تقسیم سے مدتوں پہلے برطانوی سامراج کو اپنی نظموں میں للکارنے والی آواز جس کی بازگشت پورے برصغیر میں سنی گئی، جوشؔ ملیح آبادی کی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز سرکار کی دہشت سے بڑے بڑوں کی حدت اور الفاظ کی شدت کو ایک نظم کی صورت عطا کی اور یہی صورت گری ایوان افرنگ میں تھرتھری کا باعث بنی۔ نظم کا عنوان تھا "ایسٹ انڈیا کمپنی کے

فرزندوں سے خطاب"۔اس نظم میں جوش کے تیور کوئی دیدہ ور نظر انداز نہیں کر سکتا۔جی تو چاہتا ہے کہ پوری نظم درج کر دی جائے مگر طوالت کے خوف سے تین بند پر اکتفا کرتا ہوں۔ مزاحمتی شاعری کی ایسی مثال اور کہاں ہے۔

کس زباں سے کہہ رہے ہو آج اے سوداگرو
دہر میں، انسانیت کے نام کو اونچا کرو
جس کو سب کہتے ہیں ہٹلر، بھیڑیا ہے بھیڑیا
بھیڑیے کو مار دو گولی، پے امن و بقا
باغ انسانی میں، چلنے ہی پہ ہے بادِ خزاں
آدمیت لے رہی ہے ہچکیوں پہ ہچکیاں
ہاتھ ہے ہٹلر کا، رخشِ خود سری کی باگ پر
تیغ کا پانی چھڑک دو، جرمنی کی آگ پر

..............

سخت حیراں ہوں کہ محفل میں تمہاری، اور یہ ذکر
نوعِ انسانی کے مستقبل کی اب کرتے ہو فکر
جب یہاں آئے تھے تم، سوداگری کے واسطے
نوعِ انسانی کے مستقبل سے کیا واقف نہ تھے
ہندیوں کے جسم میں، کیا روحِ آزادی نہ تھی
سچ بتاؤ، کیا وہ انسانوں کی آبادی نہ تھی

..............

اپنے ظلمِ بے نہایت کا فسانہ یاد ہے؟
کمپنی کا بھی وہ دورِ مجرمانہ یاد ہے؟
لوٹتے پھرتے تھے تم، جب کارواں در کارواں
سر برہنہ پھر رہی تھی دولتِ ہندوستاں

دست کاروں کے انگوٹھے کاٹتے پھرتے تھے تم
سرد لاشوں سے، گڑھوں کو پاٹتے پھرتے تھے تم
صنعتِ ہندوستاں پر، موت تھی چھائی ہوئی
موت بھی کیسی؟ تمہارے ہاتھ کی لائی ہوئی

غیر منقسم ہندوستان پر قابض برطانوی سامراج پر اس نظم کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟ اس بارے میں خود جوشؔ اپنی خودنوشت ''یادوں کی برات'' میں کہتے ہیں:

'اس نظم کا چھپنا تھا کہ آگ لگ گئی۔ طلاب اور عامۃ الناس جلوس بنا بنا کر نکلے اور اسے گلی گلی گاتے پھرنے لگے۔ آگے آگے وہ لوگ ہوتے تھے، اور پیچھے پیچھے پولیس۔ میری یہ نظم جب برلن ریڈیو سے براڈ کاسٹ ہوئی تو میری شدید نگرانی ہونے لگی اور میری کوٹھی سے ملی ہوئی دوسری کھوئی میں ایک سی آئی ڈی انسپکٹر صاحب، میری شبانہ روز نگرانی کے واسطے، آ کر رہنے لگے۔ ایک دن سہ پہر کے وقت پولیس نے میری کوٹھی پر دھاوا بول دیا۔ اور ایک ہندو انسپکٹر کی سرکردگی میں دس پندرہ کانسٹیبل آ دھمکے۔ میری خانہ تلاشی کے لیے اور کھڑے ہو گئے برآمدے میں اور انسپکٹر صاحب کمرے میں آ گئے۔ انسپکٹر سے میں نے کہا، جناب میرا گھر کھلا ہوا ہے، آپ شوق سے ایک ایک گوشہ چھان ڈالیں۔ اس پر انسپکٹر نے سرگوشی کے انداز میں کہا، میں آپ کو ایک ایسی عمدہ نظم کی مبارک باد دیتا ہوں۔ میں آپ کی گھر کی تلاشی نہیں لوں گا۔ صرف ضابطہ کی خانہ پری کر کے چلا جاؤں گا۔...... آگے چل کر جوشؔ لکھتے ہیں:

اس کے بعد میں نے اس واقعے پر ایک نظم لکھ کر چھپوا دی، جو چھپتے ہی ضبط کر لی گئی''

(''یادوں کی برات''، ص ۲۶۰۔۲۵۹)

اس نظم کا عنوان تھا ''تلاشی'' اس کے بھی تین شعر دیکھیے:

جس سے امیدوں میں بجلی، آگ ارمانوں میں ہے
اے حکومت! کیا وہ شے، اس میز کے خانوں میں ہے؟
بند پانی میں سفینے کھے رہی ہے کس لیے
تو مرے گھر کی تلاشی لے رہی ہے کس لیے؟

گھر میں، درویشوں کے، کیا رکھا ہوا ہے، بد نہاد
آ، مرے دل کی تلاشی لے کہ بر آئے مراد

اور ذرا اس نظم کا آخری شعر بھی ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ ایک حریت نواز شاعر کتنی بے باکی سے فرنگیوں کا مذاق اڑا رہا ہے۔

موت جس میں دیکھتی ہے منہ، اس آئینے کو دیکھ
میرے گھر کو دیکھتی کیا ہے مرے سینے کو دیکھ

مذکورہ بالا دونوں نظموں کو برصغیر کے ممتاز ترقی پسند رہنما، سید سبط حسن نے کتابی صورت میں شائع کیا اور اس کا عنوان ''آزادی کی نظمیں'' تجویز کیا۔ یہ کتاب شائع ہوتے ہی ضبط کر لی گئی۔

قارئین کرام! میں اس تحریر کو جس کی تحریک آرٹس کونسل میں منعقد ہونے والے سیمینار سے ملی ہے محض جوشؔ کی مزاحمتی شاعری تک محدود رکھوں گا اور یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ جس شاعر کو مذکورہ تقریب کے فاضل مقالہ نگار یاد نہ کر سکے، وہ مزاحمتی شاعری کا سالارِ اعلیٰ اور اس دور کا سب سے بلند و بالا شاعر تھا اور ظاہر ہے کہ یہ ثابت کرنے کے لیے مجھے ''کلامِ جوشؔ'' سے ''کمالِ جوشؔ'' کو دکھانا اور سمجھانا ہوگا۔ مگر ایک مختصر سے مضمون میں، میں شاعر کے نمونہ کلام کا انعام قارئین کو بہت زیادہ نہیں دے سکوں گا۔

پاکستان فلم انڈسٹری کے ابتدائی دور سے وابستہ ممتاز ترقی پسند ادیب، شاعر اور روزنامہ جنگ اور روزنامہ نوائے وقت سے بہ طور کالم نویس ایک زمانے میں وابستہ رہنے والے معروف قلم کار، علی سفیان آفاقی نے جوشؔ کی رحلت پر روزنامہ جنگ میں ۱۹۸۲ء میں ''دریچے'' کے عنوان سے ایک طویل مضمون تحریر کیا۔ اس مضمون کا نسبتاً ایک طویل اقتباس محض اپنے دعوے کے ثبوت میں قارئین کرام کے حوالے کرتا ہوں۔ علی سفیان آفاقی اپنے مضمون میں تحریر کرتے ہیں۔

''میری نسل کے لوگوں نے جوشؔ کے ساتھ ہوش سنبھالا اور پھر آئندہ کئی دہائیوں میں جوشؔ کی پر جوش انقلابی آواز سارے ہندوستان میں گونجتی رہی۔ یہ وہ دور تھا جب نوجوانوں

نے فلمی اداکاروں کو اپنا ہیرو بنانا شروع نہیں کیا تھا۔ ان کے محبوب و مقبول ہیرو شاعر ہوا کرتے تھے اور جوش ملیح آبادی کو ان میں دلیپ کمار (ہندوستانی فلم انڈسٹری کا بے تاج بادشاہ) کا مرتبہ حاصل تھا۔ گھر گھر ان کی شاعری کا چرچا تھا۔ اسکولوں کالجوں میں ان کے کلام کا شہرہ تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کا مجموعۂ کلام ازبر تھا۔ آج کے اس دور میں فیض کو محبوبیت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہوا ہے مگر فیض کی شناسائی محض تعلیم یافتہ طبقوں تک ہے۔ فیض کا حساب غالب والا ہے۔ جو سمجھتا ہے، باشعور ہے وہ فیض کا پرستار ہے مگر جوش کا عالم بالکل جداگانہ تھا۔ ہر کوئی ان کا پرستار تھا۔ اس لیے کہ ان کی زبان، ان کا کلام، ان کا بیان اور ان کی گفتگو کا مفہوم ہر کسی کی سمجھ میں آجایا کرتا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ عوامی مقبولیت اور ہمہ گیری اس سے پہلے کسی شاعر کو حاصل ہوئی تھی اور نہ ہی آئندہ کسی کے نصیب میں ہے۔ فیض کے کئی پہلو ہیں مگر جوش محض شاعری کے بل بوتے پر اتنی قدآور شخصیت بن گئے کہ بونے بالشتیے کتنے ہی ان کو زیر کرنے اور ان پر سوار ہونے کی کوشش کریں۔ اس میں کامیاب نہیں تھے، جوش نے اپنے عہد کو اس طرح متاثر کیا کہ شاعر تو کیا کوئی پیغمبر ہی کر سکتا ہے۔ جسے دیکھیے جوش کو پڑھ رہا ہے اور اس دور کے بڑے بڑے شاعروں کی کھیپ ایسی ہے جو محض جوش کو پڑھ پڑھ کر شاعر اور حریت پسند بن گئی۔ ۱۹۵۲ء کا زمانہ تھا۔ میرٹھ میں فسادات کا آغاز ہو گیا۔ لوگ بھوپال چلے گئے۔

رات دن جوش کی کتابیں تھیں اور ہم تھے۔ یہ کتابیں دل میں ولولے پیدا کرتی تھیں۔ آزادی کا جذبہ پیدا کرتی تھیں۔ حسن لطافت کے پہلو اجاگر کرتی تھیں۔ چنانچہ ہمیں بھی آزادی پسندی اور غریب کی وکالت کا شوق ہوا۔ اس زمانہ میں ایک نظم لکھی، جس کا پہلا شعر تھا۔

جاگ اٹھا انقلاب سرخ کا پروردگار
قوتِ فولاد و آہن، طاقت برق و شرار

نظم کیا تھی انگارے تھے، شعلے دہک رہے تھے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ترکیبیں اور الفاظ سب ہی جوش کے تھے ہم نے محض کا کی کے کا اضافہ کیا تھا اور ادھر کے الفاظ ادھر لگا کر مصرع کو اپنا بنا لیا تھا۔ ہمارے ایک استاد تھے فخری صاحب۔ انھوں نے یہ نظم دیکھی تو بھڑک

اٹھے۔ وہ بھی شاعر تھے اور مزدور تحریک کے علم بردار بھی تھے۔ یہ نظم انھوں نے لے جا کر بھوپال کے واحد روزنامہ "ندیم" کے ایڈیٹر کو دی، جنھوں نے اسے صفحۂ اوّل پر شائع کر دیا۔ پھر کیا تھا مزدوروں کے ہر جلسے میں یہ نظم باقاعدگی کے ساتھ پڑھی جاتی تھی۔ ہم نے اس کے بعد شاعری کا ارادہ ترک کر دیا مگر یہ کیا کم تھا کہ جوشؔ کی محض خوشہ چینی کر کے ہمیں ایک عظیم المرتبت شاعر کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ جوشؔ نے اس طرح بے شمار لوگوں کو شاعر اور لیڈر بنا دیا تھا۔ اس عہد کے نوجوانوں کو آزادی کی طرف راغب کرنے اور ان کو عزت کے ساتھ رہنے کا عزم پیدا کرنے میں لیڈروں کی آتش بیاں تقریروں سے زیادہ جوش کے کلام کا دخل تھا"۔

(دریچے از علی سفیان آفاقی روزنامہ جنگ کراچی مارچ ۱۹۸۲)

جوشؔ کا احتجاجی اور انقلابی مزاج ایک غلام سماج اور شاہی رسوم و رواج کو ٹھکرانے اور اسے دیوار سے ٹکرانے پر ہمہ وقت کمر بستہ نظر آتا ہے۔ اس کا اظہار تو ان کے کلام میں جا بجا ہے، مگر ان کے مسدس کا ایک مصرعہ توجہ طلب ہے۔ کہتے ہیں: کربلا تاج کو برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ برداشت نہ کر سکنا ہی جوشؔ کی خصوصیت اور حریت پسندوں میں ان کی محبوبیت ہے۔

ممتاز ماہر لسانیات، شان الحق حقی جوشؔ کے باغیانہ اور بے باکانہ تیوروں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ان کی شیر مردی کا ایک واقعہ میرے دل پر نقش ہے۔ دلی کے ایک بڑے مشاعرے میں جو سر رضا علی کی صدارت میں ہوا اور جس میں چیف کمشنر اور ڈپٹی کمشنر دونوں انگریز مگر بڑے فارسی داں اسٹیج پر موجود تھے۔ بڑی دیر سے سوئی سوئی غزلیں چل رہی تھیں کہ جوشؔ صاحب کھڑے ہوئے اور بڑی للکار کے ساتھ اپنی وہ نظم شروع کر دی۔

اے ہند کے ذلیل غلامانِ روسیاہ

مجمع اچھل پڑا، محفل کا رنگ بدل گیا۔ وہ اشعار اور جوشؔ کا جادو اثر انداز، ایسا لگتا تھا کہ بغاوت اسی لمحے یہیں سے پھوٹ پڑے گی"

تقسیم ہند سے قبل برصغیر کے گوشے گوشے میں جوشؔ کا انقلابی انداز ایک ایسا ساز بن گیا جسے سن کر آزادی کے متوالے اپنے جذبوں کی شمشیریں سنبھالے میدان کارزار کو گلزار

بنانے نکل کھڑے ہوئے۔ "شکستِ زنداں کا خواب" جوش کی ایک ایسی ہی نظم تھی۔ الفاظ کی تلوار کو جذبوں کو دھار سے صیقل کرنے کا کارِ دشوار جوش سا شہسوار ہی کر سکتا تھا۔

آرٹس کونسل کے فاضل مقالہ نگاروں سمیت تمام ادب دوست حریت پسند قارئین کو "شکستِ زنداں کا خواب" دکھاتا ہوں جس کے لفظ لفظ سے فرنگیوں کے خلاف بغاوت عیاں ہے اور جس کے ہر انداز میں مزاحمت کا ایک جہاں ہے۔ ایسے شاعر کو مزاحمتی شاعری اور ادب کی تاریخ سے نکالنا خود تاریخ کو اندھیروں میں ڈالنا ہے۔ آیئے نظم پڑھتے ہیں۔

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے، گونج رہی ہیں تکبیریں
اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں
دیواروں کے نیچے آ آ کر یوں جمع ہوئے ہیں زندانی
سینوں میں تلاطم بجلی کا آنکھوں میں جھلکتی شمشیریں
بھوکوں کی نظر میں بجلی ہے توپوں کے دہانے ٹھنڈے ہیں
تقدیر کے لب کو جنبش ہے دم توڑ رہی ہیں تدبیریں
کیا ان کو خبر تھی، سینوں سے جو خون چرایا کرتے تھے
اک روز اسی بے رنگی سے جھلکیں گی ہزاروں تصویریں
کیا ان کو خبر تھی، ہونٹوں پر جو قفل لگایا کرتے تھے
اک روز اسی خاموشی سے ٹپکیں گی ہزاروں تقریریں
سنبھلو کہ وہ زنداں گونج اٹھا، جھپٹو کہ وہ قیدی چھوٹ گئے
اٹھو کہ وہ بیٹھیں دیواریں، دوڑو کہ وہ ٹوٹیں زنجیریں

یوں تو جوش نے آزادی کے موضوع پر بہت سی نظمیں کہیں اور بلا خوفِ تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اردو کی مزاحمتی شاعری میں جوش کا نام سرِ فہرست ہے، جیسا کہ نامور استاد، نقاد اور صاحبِ فکر شاعر، پروفیسر منظور حسین شور کہتے ہیں:

"آزادی اور انقلاب کے محاذ پر برطانوی سامراج سے ٹکرانے والے فکری مجاہدوں میں جوش صاحب کا نام سرِ فہرست آتا ہے"۔

انقلاب، احتجاج، بغاوت اور مزاحمت کے تیوروں سے آراستہ و پیراستہ جوشؔ کی چند نظموں کے نام ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔ ان عنوانات سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ جوشؔ اپنے جذبوں میں کتنے کھرے اور بزدلی و خوف سے کتنے پرے تھے۔ ''غلاموں سے خطاب''، ''سرمایہ دار شہر یار''، ''آثارِ انقلاب''، ''بارگاہِ قدرت میں ایک اشتراکی رند کا مشورہ''، ''وفاق''، ''آدمی دے اے خدا''، ''باغی انسان''، ''وفادارانِ ازلی کا پیام''، متذکرہ نظمیں اور ان کے علاوہ بھی جوشؔ کی متعدد نظمیں ایسی ہیں جنھیں سن کر پڑھ کر رگوں میں آزادی کے شرارے دوڑنے لگتے ہیں۔

حاکمانِ وقت کو خاطر میں نہ لانا اور ان پر چھا جانا جوشؔ کا ایسا طریقہ تھا جس میں حصے داری ان کے دوستوں کے لیے بڑی بھاری تھی۔ جوشؔ کا یہ انداز ہندوستان سے پاکستان تک قائم رہا۔

پاکستان کے گورنر جنرل اسکندر مرزا سے ملاقات کے لیے گئے تو فی البدیہہ کہا:

آتے ہی میں تجھ پہ جو نہیں چھایا ہوں
میں جوشؔ کو ہم راہ نہیں لایا ہوں
اے خسرو ذی جاہ تری محفل میں
شبیر حسن خاں کی طرح آیا ہوں

پاکستان کے سابق فوجی صدر، ایوب خاں کے لیے جو نظم کہی، وہ جوشؔ ہی کے لیے زیبا تھی۔ اس طویل نظم کے، جو دراصل ایوب خاں کے لیے نصیحت تھی، چند اشعار قارئین کے سامنے تحریر کیے جاتے ہیں۔

اس لیے میں نے یہ بھانپا ہے کہ اے میر وطن
خدمت و ایثار کی ہے آپ کے دل میں لگن
آپ کی نیت ہے خالص اور ہمت استوار
صرف ان دو پر نہیں لیکن قیادت کا مدار
اس کہن تاریخ میں غلطاں ہیں افسانے کئی

اس بیاباں میں کئی کعبے ہیں بت خانے کئی
سب سے پہلے آپ سن لیں غور سے میری یہ بات
دن پہ حملے کے لیے دبکی ہوئی بیٹھی ہے رات
آپ کو آگاہ کرتا ہے یہ رند بادہ خوار
قلب انساں کو سڑا دیتا ہے لمسِ اقتدار
پختہ کاروں کو بھی پچتا نہیں یہ آب خام
اس شراب تند کو درکار ہے پتھر کا جام
کاروبار اقتدا کو مرد کامل چاہیے
اہل حکمت کا دماغ اور شیر کا دل چاہیے
یہ جنوں پرور حکومت ہے وہ آب آتشیں
آدمی جس کو چڑھا کر ہوش میں رہتا نہیں
یہ وہ صہبا ہے جو پی لیتی ہے خود انسان کو
دیوتا ہی ہضم کر سکتے ہیں اس طوفان کو
اور اس کے ساتھ یہ بھی کھیل ہوتا ہے جناب
حاکموں کو گھیر لیتے ہیں ریاکاروں کے خواب
ہاتھ میں آتی ہے جس کے حکمرانی کی عناں
رینگتی ہے اس کی جانب چاپلوسوں کی زباں
ذہن کو ڈستے ہیں جن کے لہجہ ہائے آب دار
ان گھلی میٹھی زبانوں سے خدارا ہوشیار
آپ کا وہ دشمن جانی ہے صدر نکتہ بیں
بے محابا آپ پر جو معترض ہوتا نہیں
اور جو افراد اپنے دائروں میں صبح و شام
چھاپتے رہتے ہیں خواب آور خوشامد کے پیام

ان کو کیا دل بیٹھ جائیں یا الٹ جائے زمیں
دام وہ اپنے کھرے کرتے ہیں اور کچھ بھی نہیں
آپ اس جرگے سے کہہ دیجئے کہ اے قوم لعیں
میں فقط خادم ہوں اپنی قوم کا، حاکم نہیں
چھین لیتے ہیں حوادث حاکموں سے کرسیاں
خادموں کی مسندیں رہتی ہیں مثلِ کہکشاں
حاکموں کے در گرا دیتی ہے اٹھلا کر زمیں
حاکموں کے سر سے ٹکراتے ہیں پتھر بالعموم
خادموں پر آسمانوں سے برستے ہیں نجوم
حاکمانِ وقت کی صبحوں کو چک لیتی ہے شام
خادمانِ خلق کا دنیا میں رہ جاتا ہے نام
حاکموں کی شمع بن جاتی ہے پل بھر میں دھواں
خادموں کی مشعلوں سے کانپتی ہیں آندھیاں
حاکموں کی گور بے چادر پہ منڈلاتے ہیں زاغ
خادموں کی قبر پر جلتے ہیں یادوں کے چراغ
نوح کا طوفاں بھی اس کو غرق کر سکتا نہیں
جو برائے خلق جیتا ہے وہ مر سکتا نہیں
یہ گرہ میں باندھ رکھیے باتِ صدر ارجمند
آپ اگر میری نصیحت پر رہیں گے کاربند
پھر تو اس دنیائے گوناگوں میں تا یوم حساب
کارنامے آپ کے دیکھیں گے مثلِ آفتاب
وقت کے ماتھے پہ جھلکے گی یہ سطرِ جاوداں
میرِ دوراں، خادمِ اہلِ جہاں ایوب خاں

وقت کا مؤرخ جب بھی غیر جانب داری سے احتجاجی یا مزاحمتی ادب کی تاریخ رقم کرے گا تو اس کا قلم یہ گواہی دے گا کہ مزاحمتی شاعری کا علم جوشؔ کے ہاتھ میں ہے اور جوشؔ نے یہ کام اس شان سے کیا ہے کہ نہ قدم ڈگمگایا نہ علم۔

# جوشؔ ایک عظیم شاعر

سید اقبال حسین۔ ایم اے ریٹائرڈ انجینئر

شعر و سخن کی دنیا میں جوش ایک بہت بڑا نام ہے، اتنا بڑا نام کہ اس کی حیات میں بڑے بڑے نامور مفکرین اور دانشوران علم و ادب نے جوشؔ کی شخصیت، شاعری اور اس کے فن پر اس قدر لکھا ہے کہ معاصرین کے حصہ میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں آیا قابل قدر ادبی رسالوں نے جوش نمبر شائع کئے۔ جوش صاحب کی شخصیت بھی بڑی متنوع تھی چنانچہ ان کی شخصیت کے ہر پہلو پر اہل قلم نے بھرپور انداز سے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اظہار خیال کیا ہے۔ جوش کی شخصیت متنازعہ بھی رہی ہے، لیکن میرے خیال میں کسی بڑی شخصیت کا متنازعہ ہونا اس کی قد آوری کا اعلیٰ ثبوت ہے۔

جوش کے مسلک، معتقدات اور اسلامی نظریات پر مقتدر مبصرین نے جو تبصرے کئے ہیں وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں ان تبصروں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مبصرین نے لکھتے وقت اپنے معتقدات کو زیادہ اجاگر کیا ہے اور اس کی روشنی میں انھوں نے جوش کے عیوب کو تلاش کیا ہے، ان پر اشتراکیت کے علم بردار ہونے کا فتویٰ بھی صادر کیا ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جوش اپنے ہم عصروں میں ایک عظیم شاعر تھے انھوں نے اپنی شاعری سے گلزار ادب کی آبیاری کی ہے زبان میں نکھار پیدا کیا ہے اور اردو ادب کے دامن کو نئے الفاظ اور نہایت حسین ترکیبوں سے مزین کیا ہے۔ جوش تاریخ شعر و ادب میں میر انیس کی طرح ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ میر انیس اپنی شاعری خصوصاً مراثی کے ذریعے اردو ادب کو جو گنجینۂ الفاظ فراہم کیا اور اس کو آگے بڑھانے میں صرف جوشؔ ملیح آبادی کا نام سر فہرست ہے ان کے علاوہ اس صف میں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا ہے اور اس خلا کو پر ہونے میں کتنا عرصہ لگے گا یہ کہنا فی الوقت مشکل ہے۔

جوش صاحب کو زبان و بیان پر صرف دسترس ہی نہیں بلکہ کامل دسترس حاصل تھی، غزل

ہو، رباعی ہو یا نظم ہو جہاں جس مصرعہ میں جو لفظ انھوں نے مانند نگینے کے پرو دیا ہے اور اس سے جو معنی پیدا کئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان کا متبادل ممکن نہیں۔

''یہ جوش تخلص ہی کا کرشمہ یا اعجاز ہے کہ شبیر حسن خاں سے بے حد تومند اور گھنی شاعری اردو زبان کو ملی۔ اس گرجتی، برستی اور کڑکتی شاعری نے جہاں کو جہاں گیر شہرت عطا کی وہاں اردو شاعری کو بھی اوج ثریا پر پہنچا دیا۔ جوش جوں ہی نظم کی خاطر نکلتے ہیں الفاظ کی فوج ظفر موج ان کے سامنے سربسجود ہو جاتی ہے جس میں مطلب کے الفاظ چن چن کر وہ نظم کے بدن پر دھرتے جاتے ہیں اس طرح ان کی نظم الفاظ کا گنج گراں سرمایہ بن جاتی ہے۔ ان کی ہر نظم میں کم از کم گیارہ نئے الفاظ ضرور دستیاب ہوتے ہیں''

مندرجہ اقتباس سے عظیم شاعر جوش کی عظیم شاعری پر جو روشنی پڑتی ہے وہ میرے بیان کی تائید کرتی ہے۔ افسوس اس امر کا ہے کہ جوش پر بھی کبھار کوئی مذاکرہ ہو جاتا ہے۔ یا چند مضامین شائع کر دیے جاتے ہیں لیکن ان کے کلام کی اشاعت کی طرف کوئی توجہ سنجیدگی کے ساتھ آج تک کسی نے نہیں فرمائی۔ جوش مرحوم کی حیات میں ہی ''طلوعِ فکر'' شائع ہوئی تھی مگر اب یہ نسخہ عنقا ہے۔

میری گزارش ہے کہ صاحب فکر و نظر علم دوست اور خاص طور پر وہ حضرات جو شعر و سخن کے دلدادہ ہیں اور صاحب ثروت ہیں وہ عظیم شاعر جوش سے اپنی رفاقت کا حق اس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ ان کے کلام کی اشاعت کا اہتمام کریں اور پھر خلوص جذبے کے ساتھ یہ کہتے نظر آئیں۔

''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

سید اقبال حسین اقبال

## شہرہ آفاق شاعر جوشؔ ملیح آبادی

سید کاظم رضا بی ایس سی
(ٹرسٹی شاہ کربلا ٹرسٹ)

دنیائے شعروفن شبیر حسن خان المعروف جوشؔ ملیح آبادی کے بغیر ہمیشہ نامکمل رہے گی۔ نظموں کا یہ قلندر جلیل جب مسندِ قرطاس پر آمادہ تحریر ہوتا ہے تو لفظوں کی کیا مجال جو بے رنگی کی زد پہ آ جائیں۔ اگر جوش قرطاس پہ قلم خواہ ہوئے تو لفظوں کا سمندر ہاتھ باندھے جوشؔ کی ضبطِ تحریر پہ آنے کا منتظر رہتا۔ اگر جوشؔ عالم وارفتگی میں آ جائے تو زبان شناسی پہ دسترس رکھنے والے ششدر رہ جاتے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جوشؔ شہر علم کے "دروازے" کے بھکاری تھے جبھی تو جھولی میں اتنا عطا ہوا کہ جوشؔ کی موجودگی میں جملوں کی درستگی کرنا کسی کی مجال نہ تھی۔

جوشؔ ایک بے باک پٹھان تھے۔ گھر ہو یا دوستوں کی محفل ان میں دوہری شخصیت نہیں تھی۔ جو کچھ دل میں ہوتا زبان پہ آنے میں دیر نہیں لگتی۔ شاید منافقت کی ضد کو "جوشؔ" کہتے ہیں۔

یادوں کی برات میں ہر قاری پہ جوشؔ نے اپنا سب کچھ ظاہر کر دیا۔ بادہ خواری سے شباب و جمال کی داستانوں تک خواہ لوگوں کی نظروں میں فتووں کی احتیاج رکھتی ہوں مگر جوشؔ کو ان باتوں کی پرواہ نہ تھی۔

جوشؔ معاشرہ کے غربت زدہ لوگوں کو دیکھ کر شکوہ ربانی میں کہاں تک گئے یہ میرا موضوع نہیں مگر غریب کا "درد" ان کے پور پور میں موجود تھا۔

جوشؔ اپنی دادی کے مذہب پہ تھے یعنی "شیعہ" تھے۔ حسینؑ مظلوم سے سچا لگاؤ تھا۔ مداحی اہلبیت میں بہت کچھ لکھا۔ رسول خداؐ اور مولا علیؑ سے عقیدت کو اپنی شاعری میں ہمیشہ جگہ دی۔ جس سے ان کے حسب و نسب کے معتبر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

## جناب جوشؔ اور جذبۂ عزاداری سید الشہداء

جناب جوشؔ کی دادی محب اہلبیت تھیں عزاداری سید الشہداؑ میں غرق تھیں۔ یکم محرم سے فرش عزا بچھاتی تھیں۔ ۱۱ محرم کو ۳ بجے سہ پہر کو ضریح اٹھتی تھی۔ لکھنو سے انجمن آتی تھی ماتم اور نوحہ خوانی کرتی تھی ایک مرتبہ اس ضریح کے جلوس میں مولانا عبد الشکور صاحب نے جھنڈا پڑھنا چاہا (چاروں خلفاء کے قصیدے) جناب جوشؔ کا عنفوانِ شباب تھا بڑی جرات کے ساتھ مولانا کو جھنڈا پڑھنے سے منع کیا کہ آپ جھنڈا نہیں پڑھ سکتے ہیں اس کی تفصیل جناب جوشؔ کی زبانی سنئے۔

ماجد عفی عنہ

# محرم

محرم اس کو تہوار نہیں ماہ عزا کہنا چاہیے۔ میرا پورا خاندان سنی ہے ہر چند میرے پردادا کے زمانہ ہی سے ہم لوگوں میں شدید قسم کی تفضیلیت راہ پا چکی تھی لیکن میری دادی کے آنے سے پیش تر ہمارے گھر میں عزاداری کا مطلق رواج نہیں تھا اور یہ میری شیعہ دادی تھیں جنھوں نے امام باڑہ تعمیر کروا کے ہمارے گھر میں عزاداری کی طرح ڈالی تھی۔ ہر چند وہ اپنے بچوں کو شیعہ نہیں بنا سکیں پھر بھی انہوں نے ان کو اور ان کے ساتھ گھر کی تمام عورتوں کو حسین علیہ السلام کا سوگوار ضرور بنا دیا۔ یہاں تک کہ خود دادا میاں بھی امام باڑہ میں آنے اور نوحے سن سن کر آنسو بہانے لگے۔ اور انہوں نے پورے گھر کو اس قدر متاثر کر دیا تھا کہ محرم کا چاند دیکھتے ہی تمام بہو بیٹیاں اور مامائیں اصیلیں تک زیور بڑھا دیتیں، پان کھانا ترک کر دیتیں اور سیاہ لباس پہن لیا کرتی تھیں۔

ہمارے امام باڑہ میں رات کے ۹ بجے دادی کی قیادت میں ماتم ہوتا تھا۔ اس میں میری ماں، بہنوں وغیرہ کے علاوہ ملیح آبادی کی شیعہ سیدانیاں اور مغلانیاں بھی شریک ہوا کرتی تھیں۔ پہلی محرم کا ماتم اس نوحہ سے شروع ہوتا تھا "پھر چاند محرم کا نمودار ہوا ہے" منہ چھٹو محبو۔ نویں محرم کے ماتم کا آغاز اس نوحہ سے ہوتا تھا "آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے" اور محرم کی گیارھویں کو ہماری ضریح ۳ بجے سہ پہر کو اٹھتی تھی اور اس آخری نوحہ پر بڑی دھوم کا ماتم ہوا کرتا تھا "اے مومنو اٹھاؤ جنازہ حسین کا" اور جب ماتم وشیون کی گونج میں ہم لوگ ضریح کو باہر نکالتے اور زنانے پھاٹک کے سامنے بچھے ہوئے تخت پر لا کر رکھ دیتے تھے تو لکھنؤ کے ایک مانے ہوئے مرثیہ خواں ضریح کے سامنے سر کھول کر "جب خاتمہ بخیر ہوا فوج شاہ کا" پڑھتے تھے تو ڈیوڑھی میں خاک نشین و برہنہ سر خواتین پر اس قدر رقت طاری ہو جاتی تھی کہ اللہ کی پناہ در و دیوار سے رونے کی صدا آتی تھی اس کے بعد کوئی چار بجے ضریح اٹھتی اور بازار سے گزرتی ہوئی رات کے دو یا تین بجے ڈاک بنگلہ کے بالمقابل میدان میں ٹھنڈی کر دی

جاتی تھی۔ ضریح کے ٹھنڈے کرتے وقت ظہور علی خاں سپاہی کی سرکردگی میں بڑے زور شور سے حسین حسین کے دردناک نعروں کے ساتھ سینہ زنی ہوا کرتی تھی جس میں مقامی و بیرونی سینکڑوں شیعہ سنی اور ہندو شریک ہوا کرتے تھے۔ اس اگیارھویں محرم کے جلوس میں ایک بار انتصاب انگیز ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔

وہ بھی سن لیجیے یہ غالباً ۱۹۱۲ء کی بات ہے کہ ہماری ضریح جب بازار کے چوراہے تک پہنچی تو معلوم ہوا کہ مولوی عبدالشکور کے چند گرگے ضریح کے سامنے جھنڈا پڑھنا چاہتے ہیں (اس فعل کو اس بنا پر جھنڈا کہا جاتا تھا کہ "چار سو جھنڈا گڑا ہے چار یار پاک کا" سے اس کا آغاز ہوتا تھا اور یہ شوشہ چھوڑا تھا فرنگی نے تا کہ شیعہ سنی لڑتے رہیں۔) اور ہمارے خاندان کے کچھ افراد بھی ان کی پشت پناہی پر آمادہ ہیں۔ میں بھی لونڈا تھا۔ یہ سن کر میرا خون کھول گیا اور میں نے بڑے طنطنہ کے ساتھ پکار کر کہا کس کے منہ میں اتنے دانت ہیں کہ وہ ہماری ضریح کے سامنے جھنڈا پڑھے اگر کوئی ایسا سورما ہے تو سامنے آئے اور اپنے حمایتیوں کو بھی ساتھ لائے میری اس للکار سے چند افراد کے شانوں میں جنبش پیدا ہو گئی اور غضب کی شکنیں ماتھوں پر ابھر آئیں اور ایک کم رو سا آدمی ایک صاحب کا اشارہ پا کر جھنڈا پڑھنے کو ضریح کے سامنے آ گیا۔

میں نے ابرار کو اشارہ کیا۔ انہوں نے جھپٹ کر اس کی بوکڑی سی داڑھی پکڑ لی اور اس کے کالے سے منہ پر تڑاق سے ایک طمانچہ رسید کر دیا اس کے حمایتیوں میں کھلبلی مچ گئی اور شور برپا ہو گیا کہ ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ اتنے میں عالمگیر پھپھا جن کی دور دور تک دھاک بیٹھی ہوئی تھی مجمع کو چیرتے ہوئے ضریح کے سامنے آ گئے انہوں نے اپنے ڈنڈے کو زمین پر کھٹکھٹاتے ہوئے کہا آپ لوگ لڑکوں سے جھگڑا کر رہے ہیں بشیر احمد خان (میرے باپ) کے پاس جایئے ضریح ان کی ہے وہ اگر اجازت دیدیں تو جھنڈا پڑھیے لوگوں نے پھپھا کی بات مان لی اور سیدھے میرے باپ کے پاس چلے گئے۔

تھوڑی دیر میں میرے باپ نے سپاہی بھیج کر جب مجھے طلب کیا تو میں ضریح کے ارد گرد کے سپاہیوں کو یہ حکم دے کہ جب تک میں نہ آؤں ضریح یہاں سے جنبش نہ کرے اور کسی کو جھنڈا

پڑھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اپنے باپ کی جناب میں سر جھکائے پہنچ گیا۔ انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے جھنڈا روک دیا ہے۔ میں نے کہا جی ہاں میاں۔ انہوں نے فرمایا کیوں۔ میں نے جواب میں عرض کیا میاں پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے حسین آباد اسکول کے ہم جماعت شیعہ لڑکے میرے بلانے سے یہاں شریک ہونے آئے ہیں اگر ان کے منہ پر جھنڈا پڑھا گیا تو ان مہمانوں کی دل شکنی ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ دادی جان شیعہ ہیں جب وہ سنیں گی کہ ان کی ضریح کے سامنے جھنڈا بازی ہوئی ہے تو ان کے دل کو دھکا لگے گا۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ میاں یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی کہ امام حسین کی شہادت سے جھنڈے کا کیا تعلق ہے۔ جنازے کے ساتھ رونا پیٹنا ہوتا ہے یا لوگوں کی تعریف کے جھنڈے پڑھے جاتے ہیں۔ میاں نے سیدھے ہو کر ان لوگوں کی جانب نگاہ اٹھائی جو میری شکایت لے کر آئے تھے اور مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا شبیر تم معقول بات کہہ رہے ہو۔ یہ فرما کر میاں اٹھ کھڑے ہوئے ان کے اٹھتے ہی تمام حاضرین اور سپاہی بھی کھڑے ہو گئے اور کمرے سے نکلتے ہوئے ارشاد فرمایا میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں اور یہ دیکھنا ہے کہ وہ ایسا کون ساوہ نت ہے کہ ضریح کے سامنے جھنڈا پڑھنے کی جسارت کر سکے۔ اس کے بعد کس کی مجال تھی کہ میرے باپ کے سامنے جھنڈا پڑھتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا وہ جھنڈا تو پڑھا نہیں جا سکا لیکن میری رافضیت جھنڈے پر چڑھ گئی اور پیش خیمہ بن گئی میرے تنسیخ نکاح کے مقدمہ کا۔

(یادوں کی برات صفحہ ۹۲)

## لکھنؤ میں دوبارہ آمد مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ کی صحبت

علی گڑھ سے نکلا تو پھر لکھنؤ آگیا۔ بانہہ ٹوٹتی ہے تو گلے میں آتی ہے۔ لکھنؤ اکر ابرار اور رئیس کی معیت حاصل ہوگئی۔ جوبلی ہائی اسکول میں داخل ہوگیا۔ وہاں سے چرچ مشن اسکول اور چرچ مشن اسکول سے نکل کر ریڈ کرسچین کالجیٹ اسکول میں داخلہ لے لیا کچھ روز تک تو ہم لوگ لاٹوس روڈ کے اس دو منزلہ مکان میں رہے جس کو بڑھیا والا مکان کہا جاتا تھا۔ پھر چلے گئے راجہ ابو جعفر صاحب کی کوئنس روڈ والی کوٹھی میں اور وہاں سے منتقل ہو کر پھر

پہنچ گئے کھجوے کے باغ کی کوٹھی میں (کھجوے میں آغائی صاحب کا ایک بہت بڑا نارنگیوں کا باغ تھا اس میں قدیم وضع کی دو کوٹھیاں تھیں۔ ایک کوٹھی میں ہم لوگ رہتے تھے دوسری کوٹھی میں ناصر حسین صاحب قبلہ کا وسیع کتب خانہ تھا اور ہماری کوٹھی کے نیچے کے حصہ میں آغائی صاحب کی لاش رکھی ہوئی تھی جو ایک معین مدت کے بعد کربلا بھیجی جانے والی تھی)

کھجوے کے قیام سے مجھے بہت فائدہ پہنچا۔ ایک طرف تو نارنگی کے باغ میں دوڑ لگاتے رہنے سے میری صحت بہت اچھی ہوگئی۔ دوسری طرف مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ اور اسکول آتے جاتے حضرت پیارے صاحب رشید کی صحبت سے نہایت علمی وادبی فائدہ پہنچا اور تیسری طرف مرزا محمد ہادی صاحب رسوا لکھنوی (صاحب امراؤ جان ادا) سے میں نے باقاعدہ فارسی وعربی پڑھنا شروع کردی۔ عربی تو نہ آسکی لیکن فارسی میں کسی قدر نظر پیدا ہوگئی اور اسی کے ساتھ ساتھ میری اردو بھی خوب منجھ گئی۔ اور لکھنو آکر میرا بچھڑا ہوا محبوب عطا حسین قزلباش بھی مجھ کو دوبارہ مل گیا۔ عطا حسین کی صحبت میں میری دادی نے جو شیعیت کے نقوش میرے دل پر بنائے تھے وہ اور بھی ابھر گئے اور جیسا کہ اوپر بیان کر چکا ہوں ناصر حسین صاحب قبلہ کی صحبت نے بھی میری شیعت میں پختگی پیدا کردی۔ اب میں برابر مجلسوں میں جانے اور ماتم کرنے لگا اور میرے خاندان کی اصطلاح میں میری رافضیت مسلم ہوگئی پھر بھی میرے باپ نے مجھ سے ناخوشی کا مطلق اظہار نہ فرمایا۔

(یادوں کی برات صفحہ ۱۵۸)

## میرے تبرائی شیعہ ہونے کا یقین

لیکن جب میرے باپ کے کان تک یہ خبر پہنچی کہ میں مقبرۂ جناب عالیہ کے جشن تبرا (یہ مقبرہ گولا گنج میں ہے جہاں تبرہ بازی کا ایک سالانہ جشن کیا جاتا ہے اور اکابر لکھنو شریک ہوتے ہیں) میں بھی شریک ہوا تھا تو یہ بات ان کو نہایت ناگوار گذری انہوں نے میرے پھپھی زاد بھائی امیر حسن خاں کی معرفت یہ پیغام بھیجا کہ میں تبرا ترک کردوں انہوں نے کہا ماموں نے یہ فرمایا ہے کہ جہاں تک حُبِ آل رسول کا تعلق ہے میں اس کو جزو ایمان ہی نہیں

اصل ایمان سمجھتا اور رسول اللہ کے بعد علیؑ کو سب سے افضل مانتا ہوں لیکن اس کے باوجود اصحاب ثلاثہ پر سب وشتم کو برداشت نہیں کر سکتا اس لیے کہ اس فعل سے فقط خلفاء ہی کی توہین نہیں ہوتی بلکہ رسالت مآب کے فیضانِ صحبت پر بھی آنچ آتی ہے اور جب میں تبرے سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ ہوا تو میرے باپ نے وصیت نامے کی رو سے مجھ کو جائیداد سے محروم فرما کر فقط سو روپے ماہانہ کا گزارہ دار بنا دیا۔ اتنی بڑی جائیداد سے محروم ہو جانے کا میرے دل پر کوئی اثر نہیں پڑا اور اس کے برعکس میں نے یہ سوچا کہ ناخوش ہو جانے کے بعد بھی میرے باپ نے میرے نام سو روپے ماہانہ لکھ دیے۔ اگر وہ یہ بھی نہ کرتے تو میں کیا کر سکتا تھا میرے باپ میں کس قدر شفقت کا جوہر ہے۔

(یادوں کی برات صفحہ ۱۵۹)

## لکھنو حسین آباد ہائی اسکول میں داخلہ

سیتاپور میں میری تعلیم کا سلسلہ سال ڈیڑھ سال سے زیادہ نہیں رہ سکا اور میری مفارقت کی تاب نہ لاکر غالباً ۱۹۰۸ء میں میرے باپ نے مجھ کو لکھنؤ طلب فرما کر حسین آباد ہائی اسکول (اس اسکول میں آغائی صاحب کے پوتے اور میرے ساتھ میرزا حبیب حسین صاحب ہیڈ ماسٹر کے حکم سے یہ امتیازی برتاؤ کیا گیا تھا کہ تمام لڑکے تو بنچوں پر بٹھائے جاتے تھے لیکن ہم دونوں کو کلاس ٹیچر کی میز کے داہنے بائیں کرسیوں پر بٹھایا جاتا تھا اور ساتویں درجے ڈبل امتحان دے کر آٹھویں درجہ میں آ گیا تھا۔ سید محمد جواد صاحب ہمارے دینیات کے معلم تھے ہر چند مجھے دینیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر سید صاحب کے کلاس میں بڑے شوق کے ساتھ جاتا اور ان کی عربی وفارسی کی غیر معمولی قابلیت سے فیضیاب ہوا کرتا تھا۔ میرزا حبیب حسین صاحب اور سید محمد جواد صاحب کی شخصیتوں اور شفقتوں کو میں عمر بھر یاد رکھوں گا اور اللہ جنت نصیب کرے مجھ میں اگر معصومیت ہوتی تو میں ان دونوں بزرگوں کے واسطے تمام عمر یہی دعا کرتا رہا) میں داخل کرا دیا۔ اور میرے قیام کے واسطے نخاس (چڑیا بازار) میں سید اعجاز حسین صاحب کے مکان کا بالائی اور کشادہ حصہ کرائے پر لے لیا گیا۔ میرے مکان کے

نیچے ایک منشی واحد علی کی نوادر کی دکان تھی ان کی دکان کے سامنے کسی بزرگ کا مزار تھا جس پر ہر جمعرات کو چراغاں ہوا کرتا اور اس کے اطراف میں ہر اتوار کو چڑیوں کا بازار لگا کرتا تھا اور میرے مکان کے (وہ مکان شہید کر ڈالا گیا ہے اور اس کی بنیادوں پر ایک نیا مکان تعمیر کرا کے وہاں ایک مطربہ رہنے لگی ہے" آکے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد") عین سامنے حضرت ریاض خیر آبادی رہتے ہیں اس واقعے کو آج تک بھول نہیں سکا ہوں کہ جس روز میں نے اس مکان کے چوڑے چکلے زینے میں جس کے دونوں طرف نیچے سے اوپر تک بڑے شاداب گملے رکھے ہوئے تھے پہلا قدم رکھا تھا تو ہوائے سرد کے ایک تیز اور معطر جھونکے نے میرا اس دل نوازی کے ساتھ استقبال کیا تھا کہ میرے سینے کی تمام کھڑکیاں تڑ اتڑ کھل گئی تھیں اور جگر میں ایک ایسی نشہ آور خنکی محسوس ہوئی تھی کہ میں جھومنے لگا تھا۔

اس زمانے میں میرے مکان کے سامنے اور حضرت ریاض خیر آبادی کے مکان کی دیوار نیچے دور تک گھوڑا گاڑیوں کا اڈہ تھا جہاں پچیس تیس گاڑی والے رہتے تھے اور ہر روز بلا ناغہ صبح چار پانچ بجے ایک صاحب وکٹوریہ روڈ کی طرف سے مولیٰ علی، امام علی مرتضیٰ علی گاتے ہوئے جیسے ہی میرے مکان کے سامنے سے گزرتے تھے تو گاڑی والے ٹھسکی دار آواز میں نعرہ لگایا کرتے تھے "نواب صاحب بکرا حاضر ہے"۔ اور وہ نواب صاحب ان کو گالیوں پر دھر لیا کرتے تھے لیکن کیا مجال کہ کوئی فحش لفظ زبان پر آئے۔ جیسے ہی گاڑی والوں کی آواز بلند ہوتی تھی کہ نواب صاحب بکرا حاضر ہے ویسے ہی وہ بڑی سریلی اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہنے لگتے تھے۔ "اے آل رسول کے دشمنو اے معاویہ کے دنبو اے ابن زیاد کے اونٹو تم پر لعنت تم پر آخ تھو اے یزید کے پلو، اے ابن ملجم کے بوکڑ و اے ہندہ جگر خوار کے پڑپوتو تم پر لعنت ہزار بار لعنت آخ تھو آخ تھو۔ ان گالیوں پر گاڑی والوں کے قہقہے بلند ہو جاتے تھے اور جب وہ گالیاں دیتے ہوئے گڑھے والی سرائے کی طرف مڑنے لگتے تھے تو گاڑی والوں کی آواز پھر بلند ہو جاتی۔ نواب صاحب بکرا حاضر ہے اور وہ اسی نوع کی گالیاں دیتے ہوئے مڑ جایا کرتے تھے اور اس طرف میرے گوشے کے باشندے میاں نوروز باورچی کا بھی یہی معمول تھا کہ جب وہ نواب صاحب بکرا حاضر ہے کہ آوازیں سنتے تھے تو چارپائی پر

اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے اور بڑبڑانے لگتے تھے کہ "ان سالیے گاڑی والن (والوں) پہ نالت (لعنت) روج روج (روز روز) بکرا حاجر بکرا حاجر (حاضر) چیکھا کرتے ہیں (چیخا) یو (یہ) کا (کیا) وائے ہات (واہیات) پنا (پن) ہے سالیے سویرے سویرے اللہ رسول کا نام تو لیت (لیتے) ناہیں (نہیں) بکرا حاجر کا گل (غل) مچائے رہت (رہتے) ہیں تھوک ہے ان کی اوکات (اوقات) پر۔

(یادوں کی برات صفحہ ۱۲۸)

## سچا خواب یا میرے تحتِ شعور کا فعال اضطراب

اس محروم الارث ہو جانے کے کوئی چھ سات مہینے کے بعد ایک روز دوپہر کے وقت جبکہ شدید گرمی پڑ رہی تھی اور میں کنہرہ ابوتراب خاں لکھنؤ) کے مکان کے ایک ٹھنڈے کمرے میں لیٹا ہوا تھا میں نے اللہ سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ میں نے کہا "یہ سنتا ہوں اے اللہ میاں جب کوئی تمہاری طرف ایک قدم اٹھاتا تو تم اس کی جانب سو قدم بڑھ آتے ہو لیکن میرے ساتھ تمہارا معاملہ اس کے برعکس ہے میں تمہاری طرف بڑھتا ہوں اور تم ہو کہ ٹس سے مس ہی نہیں ہوتے ہو تمہیں خوش کرنے کے لئے میں نے اپنے باپ کو ناخوش کر لیا جائیداد سے محروم ہو گیا اور تم مجھ سے یہ بتاتے ہی نہیں ہو کہ میں راہ راست پر ہوں یا گم راہ ہو گیا ہوں ارے اللہ میاں کچھ تو منہ سے بولو سر سے کھیلو۔" دل ہی دل میں یہ باتیں کرتے سو گیا سوتے ہی خواب دیکھا کہ صبح کی گلابی روشنی پھیلی ہوئی آسمان سے سونا برس رہا ہے اور میں کسی سواری پر بیٹھا ایسی راہ سے گزر رہا ہوں جس کے دونوں طرف بڑے گھنے اور شاداب درخت نسیم سحر سے جھوم رہے ہیں اور ہزاروں چڑیاں ان کی شاخوں پر بیٹھی چہچہا رہی ہیں کہ مشرق کی طرف سے ایک جلوس بڑے تزک و احتشام کے ساتھ نمودار ہوا۔ میری نظریں اس جلوس پر جم کر رہ گئیں۔ اور جب وہ قریب آ گیا تو رئیس جلوس کے چہرے کی تابنا کی دیکھ کر میرے دل پر اس قدر اثر پڑا کہ میں اپنی سواری سے کود پڑا اور جھک کر سلام کیا۔ رئیس جلوس نے میری طرف آنکھیں اٹھائیں ان کی آنکھوں سے کرنیں قطار در قطار نکلیں جو میرے دل میں

پیوست ہوگئیں اور وہ مسکرا کر میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے ایک سمت مڑ گئے ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ یہ کیسی غیر معمولی مقناطیسی شخصیت تھی کہ بے جانے پہچانے مجھ کو اس نے اس قدر متاثر کر دیا کہ اتنے میں ایک دوسرا جلوس نمودار ہوا اور اس عجیب صاحب جلوس کا بھی مجھ پر ویسا ہی اثر پڑا اور وہ بھی میرے سلام کا مسکرا کر جواب دیتا ہوا اسی طرف روانہ ہوگیا جس طرف پہلا جلوس مڑ گیا تھا۔ اب دونوں جلوس نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تو میں یہ بات سوچنے لگا کہ میں ان سے متعارف کیسے ہو سکتا ہوں اور نہ ادھر مڑ جاؤں جدھر یہ جلوس مڑ گئے ہیں کہ دفعتاً میری پشت پر کسی نے ہاتھ مارا میں اچھل گیا اور مڑ کر دیکھا کہ، ایک نورانی چہرے کے بزرگ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟......

انہوں نے جواب دیا ابوذر غفاری میں نے سلام کر کے ان کے ہاتھ چوم لیے اور ان کے روبرو سر جھکا لیا۔ انہوں نے کہا سر اٹھاؤ یہ سر جھکنے کے لئے نہیں بنا ہے۔ میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ تم کو سرورِ کونین محمد رسول اللہ اور ان کے جانشین مشکل کشا علی ابن ابو طالب کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔

یہ سن کر میرے دل میں فخر کے فوارے چھوٹنے لگے اور آنکھوں سے مسرت کے آنسو برسنے لگے اور میں نے پوچھا میں اپنے رسول اور امام کو ڈھونڈنے کدھر جاؤں انہوں نے درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف انگلی اٹھا کر کہا دیکھو وہ مسجد کا منارہ ہے نظر آ رہا ہے اسی طرف چلے جاؤ اللہ کا جواب تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہوگئے اور میں دھڑکتے دل کے ساتھ ادھر روانہ ہوگیا اور جب مسجد کے دروازے کی پہلی سیڑھی پر میں نے قدم رکھا تو یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چبوترے کے کنارے آستینیں چڑھائے بیٹھے اور علی مرتضیٰ پانی کا ظرف ان کے پاس رکھ رہے ہیں۔ میری آہٹ سن کر رسول اللہ نے حضرت علی سے کچھ ارشاد فرمایا (جسے میں نہیں سن سکا) رسالت مآب کا ارشاد وہ میری طرف اس طرح چلے جیسے کوئی مژدہ سنانے والا چلتا ہے۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے وہ میرے پاس تشریف لائے اور میرے سر پر ہاتھ پھیر کر ارشاد فرمایا۔

''جو ہم سے محبت کرتا ہے نہ تو اس کی دنیا ہی خراب ہوتی ہے نہ عقبیٰ جاؤ بلندیاں تمہارا انتظار کر

رہی ہیں۔"

یہ خواب دیکھ کر میری آنکھ کھل گئی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے پھوٹ نکلے اور دل بلیوں اچھلنے لگا کہ بوالہ ظن نے کہا منجھلے بھیا میاں بلا رہے ہیں۔ میں دھڑکتے دل کو سنبھال کر اٹھا جلدی جلدی منہ دھویا اور اپنے باپ کے روبرو جا کر کھڑا ہو گیا۔ میرے باپ لکھنے میں مشغول تھے۔ قلم روک کر انہوں نے میری طرف نگاہ اٹھائی۔ ان کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ مجھ سے ارشاد فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا اور وہ پھر لکھنے لگے میں حیران ہو گیا کہ معاملہ کیا ہے ان کا قلم بڑی تیزی اور انتہائی ولولے کے ساتھ دس پندرہ منٹ تک چلتا رہا اور جب عبارت مکمل ہو گئی تو انہوں نے ارشاد فرمایا بیٹا یہ جائیداد ایسی کمبخت چیز ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے بھائی بھائی کا گلا کاٹ کر رکھ دیتا ہے میں نے تجھ کو جائے داد سے محروم کر دیا اور میں نے دیکھا کہ تیرے ماتھے پر شکن تک نہیں آئی اور تیری اطاعت شعاری میں بھی یک سر مو فرق نہیں آیا۔ لے یہ دوسرا وصیت نامہ ہے جس کی رو سے میری جائے داد میں تجھ کو تیرا پورا حق مل جائے گا۔ تو بڑے کردار کا آدمی ہے اس کردار کا آدمی اگر یہودی یا مجوسی بھی ہو جائے پھر بھی وہ اس امر کا مستحق ہے کہ اس کو سر آنکھوں پر جگہ دی جائے یہ کہہ کر میرے باپ پر رقت طاری ہو گئی اور رندھی آواز میں فرمایا بیٹا میں تیرے کردار کے سامنے سر جھکاتا ہوں یہ کہتے ہی میرے انسان باپ نے میرے سامنے سر جھکا دیا۔ میرے منہ سے دفعتاً چیخ نکل گئی ارے میرا باپ کتنا بڑا آدمی ہے اور جھپٹ کر میں نے ان کے دونوں جوتے اٹھا کر سر پر رکھ لیے سر سے اتار کر سینے سے لگا لیا پھر باپ کے قدموں سے منہ رگڑنے لگا اور میرے باپ نے نے مجھے چھاتی سے لگا لیا اور خود بھی رونے لگے۔

(یادوں کی برات صفحہ ۱۶۰)

## میرے نکاح کی تنسیخ کا مقدمہ

جب میری شیعیت یا یوں کہیئے کہ میری رافضیت کا غلغلہ بلند ہو گیا تو میرے چچا نواب محمد علی خاں نے جن پر میرا نکاح انتہائی شاق گزرا تھا اپنے چھوٹے بھائی یعنی میرے خسر کو طلب

فرما کر کہا غلام شبیر پکا رافضی بن چکا ہے۔(چچا مجھے شبیر حسین کے بجائے ہمیشہ غلام شبیر کہا کرتے تھے) تم نکاح کی تنسیخ کا دعویٰ دائر کر دو میں تمہارا پورا پورا ساتھ دوں گا۔اور میرے حقیقی چچا نواب محمد اسحاق خاں نے بھی میرے خسر سے کہا:۔دیکھو مقیم اب پانی سر سے گزر چکا ہے جب شبیر نے ضریح کے سامنے جھنڈا پڑھنا رکوا دیا تھا اسی دن میرا ماتھا ٹھنک گیا تھا کہ آج نہیں تو کل وہ ضرور رافضی ہو جائے گا اور اب تو وہ کھلم کھلا رافضی ہو گیا ہے۔تم تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر دو میں تمہارے ساتھ ہوں۔

میرے خسر صاحب بھولے بھالے پٹھان تھے آ گئے بڑی میں اور دائر کر دیا مقدمہ دن سے مقدمہ دائر ہوتے ہی ایک قیامت برپا ہو گئی۔اور ملیح آباد سے لے کر لکھنؤ تک گونجنے لگا اس کے چرچوں سے میرے باپ نے سنت جاریہ پر عمل کرتے ہوئے پہلا کام یہ کیا کہ تمام درجہ اول کے وکلا یعنی شیخ علی عباس،ظہور احمد،میرزا سمیع اللہ بیگ،سر وزیر حسن اور الہ آباد کے سر تیج بہادر سپرو اور سرجان جیکسن کو پہلے ہی اپنا لیا تاکہ فریق ثانی کو درجہ اول کا کوئی وکیل میسر نہ آ سکے۔وہ مقدمہ پورے چھ برس تک مسٹر شرغا منصف شمالی کے اجلاس میں بڑے زور و شور کے ساتھ چلتا رہا۔

میرے خسر کی جانب سے علمائے اہلسنت کے فتوے پیش کیے گئے تھے کہ"رافضی کافر ہوتا ہے،اس لیے کسی مسلمان لڑکی سے اس کا عقد ناجائز امر ہے اور خلاف شریعت ہے۔"ہماری طرف سے اس کی نظریں پیش کی گئی تھیں کہ زمانہ قدیم سے لے کر اب تک سینکڑوں شیعہ لڑکیوں کے سینکڑوں لڑکوں کے ساتھ نکاح ہو چکے ہیں اور ان کی اولادیں ورثہ پا چکی ہیں اور کیا ان تمام شیعہ لڑکوں اور سنی لڑکیوں کے سابق نکاحوں کو ناجائز قرار دے کر آج یہ فیصلہ کیا جائیگا کہ اس نوعیت کے نکاحوں سے جو بچے پیدا ہو کر اپنے اپنے باپوں کی وراثت پا چکے ہیں ان کو اولاد ناجائز ٹھہرا کر وراثت سے محروم کر دیا جائے اور ان سابق نکاحوں کے مواقع پر علمائے اہل سنت کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ اس وقت بالکل خاموش رہے اور اس نکاح کی تنسیخ کا مقدمہ دائر ہوتے ہی اسلامی شریعت میں وہ کیا بنیادی انقلاب آ گیا ہے۔آج اس کے خلاف فتوے جاری کیے جا رہے ہیں اور کیا یہ صحیح نہیں کہ مولوی عبدالشکور صاحب نے سنیوں اور

شیعوں کے درمیان جو منافرت پیدا کرنے کی تحریک چلائی ہے یہ تمام غلط فتوے اسی تحریک کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ تین پشتوں کے دیرینہ مراسم کے باوجود مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محل نے بھی ان فتوؤں کی تصدیق فرمادی تھی۔ لیکن میں آج تک شکر گزار ہوں کہ مولانا عبدالباری صاحب کے چچا شمس العلماء مولانا عبدالحمید صاحب اور نامی پریس لکھنو کے مالک حکیم خواجہ شمس الدین صاحب نے میری موافقت میں گواہی دی تھی۔ جس روز میرے مقدمہ کی پیش ہوتی تھی تمام لکھنو ٹوٹ پڑتا تھا سننے کے واسطے۔ اور میرے باپ اور میرے خسر کے ہمراہ جو تین تین چار چار سو جاں نثاروں، حامیوں اور گواہوں کا لشکر آتا تھا اس لیے عدالت کے برآمدے اور صحن میں ایک میلہ سا لگ جاتا چاروں طرف سے خوانچے اور قلفی والے ٹوٹ پڑا کرتے تھے اور ہر پیشی پر تقریباً دو تین سو روپے چرندم خورندم پر اٹھ جایا کرتے تھے۔

مجھے خوب یاد ہے کہ جس روز میرے باپ عدالت میں بیان دینے کے واسطے، اپنی کرسی سے کھڑے ہوئے تھے فریق کے مخالف کے وکیل بشیشر ناتھ صاحب نے عدالت سے کہا تھا کہ "خاں صاحب کے بیان سے پیشتر میں یہ بات عدالت کے گوش گزار کردینا چاہتا ہوں کہ میں ان کا قدیم نیاز مند ہوں اس لیے مجھ کو معلوم ہے کہ وہ اس قدر شیریں بیان آدمی ہیں کہ سننے والے پر جادو کردیتے ہیں اس لیے میری درخواست ہے کہ عدالت ان کی جادو بیانی سے متاثر نہ ہو اور وہ تاثر قانون پر حاوی نہ ہونے پائے۔ یہ سن کر شرغا صاحب ہنس پڑے تھے اور یہ کہا تھا کہ اب تو میں بڑے شوق سے خاں صاحب کا بیان سنوں گا اور میرے باپ کے بیان کے اختتام کے بعد شرغا صاحب کے چہرے سے جو تاثرات نمودار ہوئے تھے انکو دیکھ کر بشیشر ناتھ صاحب نے میرے خسر کے کان میں کچھ کہا تھا۔ خاں صاحب اب آپ مقدمہ ہار جائیں گے بہتر ہے صلح کر لیجیے۔ مجھے پتہ نہیں کہ میرے خسر نے اس مقدمہ پر کتنا روپیہ برباد کیا تھا لیکن یہ معلوم ہے کہ میرے باپ کے چالیس پچاس ہزار روپے صرف ہو گئے تھے۔

(یادوں کی برات صفحہ ۱۶۲)

## میرے مقدمہ تنسیخ نکاح کا فیصلہ

میرے باپ کی موت کے غالباً ایک ہفتہ کے بعد مقدمے کا فیصلہ سنا دیا گیا اور میرے نکاح کو جائز قرار دیتے ہوئے عدالت نے مجھ کو یہ اختیار بھی دے دیا کہ میں چاہوں تو اپنے خسر اور ان کے گواہوں پر حلف دروغ گوئی کا مقدمہ چلا سکتا ہوں۔ فیصلہ سنانے کے وقت عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا ایسی نہیں کہ ہم لوگ آبدیدہ تھے میرے مخالفین اور خود میرے خسر بھی بے حد مغموم و پریشان نظر آ رہے تھے۔ مسٹر شرعا حکم سنانے بیٹھے تو آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگے "خاں صاحب کو اس مقدمہ کے جیتنے کی بڑی تمنا تھی کاش میں ان کی زندگی میں ہی فیصلہ سنا دیتا...... یہ سن کر اپنے تو اپنے غیروں کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹپکنے لگے اور مجھ نامراد کو اپنی فتح مندی لاکھوں شکستوں کے پہاڑوں کے نیچے دبی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ میں نے لاکھ لاکھ ضبط کرنا چاہا مگر ایک دردناک چیخ میرے منہ سے نکل گئی۔ میرے خسر نے جھپٹ کر مجھے سینے سے لگا لیا اور عدالت کا کمرہ مجلس عزا میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔ میری شادی، بعد از خانہ بربادی۔ اس فیصلے کے دوسرے دن حضرت مولانا عبدالباری صاحب قبلہ فرنگی محلی میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ مجھ کو آپ کے والد گرامی کی ناوقت موت کا بے حد افسوس ہے اور اس بات کا بھی ملال ہے کہ میں نے مقدمے میں آپ کی مخالفت کی تھی مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ فرنگی محل پر آپ کے جد امجد نواب فقیر محمد خاں بہادر کے جو احسانات ہیں میں انہیں بھول گیا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ محمد مقیم خاں (میرے خسر) اور ان کے گواہوں پر مقدمہ چلائیں گے کہ نہیں۔ میں نے کہا مولانا اس دن کے لئے خدا مجھ کو نہ رکھے کہ میں مقیم چچا اور ان کے گواہوں پر مقدمہ چلا کر انہیں جیل بھیجنے کی سعی کروں۔ مولانا میری یہ بات سن کر خوش ہو گئے مجھے سینے سے لگا لیا اور کہا آپ کی شرافت سے مجھے اسی جواب کی امید تھی۔ اس کے بعد بڑی بزرگانہ ملائمیت کے ساتھ مسکرا کر انہوں نے یہ فرمایا کہ آپ کیا یہ وعدہ بھی کریں گے کہ اپنی بیوی کو شیعہ نہیں بنائیں گے۔ میں نے کہا: مولانا دین میں اکراہ کو دخل نہیں ہے میں کبھی ان کو شیعہ ہو جانے پر مجبور

نہیں کرونگا (میری بیوی آج تک سنی ہیں اور میں نہ شیعہ رہا نہ سنی اور اب مسلمان بھی ہوں کہ نہیں اس کا فیصلہ کون کرے) چاہیئے تو یہ تھا کہ باپ کی موت پر میں کم سے کم پانچ برس تک سوگ مناتا لیکن حالات کی نوعیت اس قدر پیچیدہ اور اس قدر عجلت طلب تھی کہ مجبوراً یہ طے کرنا پڑا کہ جلد سے جلد رخصت کی رسم ادا کردی جائے اس لئے دسمبر ۱۹۱۶ء میں آخری ہفتے میں میری شادی کی تاریخ مقرر کردی گئی۔ میرا سا بدبخت و بدنصیب دولہا کون ہوگا کہ شادی کا جوڑا مجھے اس وقت پہنایا گیا جبکہ میرے باپ کا کفن ابھی میلا بھی نہیں ہوا تھا اور میرے سر پر اس وقت سہرا باندھا گیا جب کہ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں برس رہی تھیں میرے پھاٹک کی شہنائیوں کی آوازوں میں نوحے تیر رہے تھے۔ میری ہتھیلی کی مہندی کے رنگ سے میرے دل کا خون ابل رہا تھا۔ تاشوں کی جھنکار کف افسوس مل رہی تھی اور مجھ نامراد کی شادی کے دوش پر میرے باپ کا جنازہ رکھا ہوا تھا۔ میں جب ہاتھی پر بیٹھ کر براتیوں کے ساتھ اپنی سسرال کی جانب روانہ ہوا تو یہ دیکھا کہ میرے باپ سامنے کھڑے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں بیٹا شادی مبارک ہو میں نے جان دے کر تیرا سہرا دیکھا ہے اس وقت میں نے اس طرح ہچکیاں روکیں کہ میری پسلیوں میں درد ہونے لگا۔ اور دل سے آواز آنے لگی ہائے میرے باپ ہائے میرے باپ اور میرے سہرے کے جھٹکیں میرے سینے پر ڈنک مارنے لگیں۔

(یادوں کی برات صفحہ ۱۷۲)

## حسینؑ اور انقلاب

میں نے آغائی صاحب کے امام باڑہ میں ایک مسدس پڑھا "حسین اور انقلاب" کے نام سے۔ حسین اور انقلاب سننے کے لئے پورا ادبی لکھنو ٹوٹ پڑا۔ امام باڑہ میں تل دھرنے کی جگہ باقی نہ تھی۔ لکھنو کے تمام شعراء تمام اساتذہ یہاں تک کہ مولانا صفی بھی تشریف لائے اور اس مجلس میں فقط شیعہ ہی نہیں بلکہ اہلسنت اور ہندو بھی شریک تھے۔ چونکہ اس مسدس میں آہ وفغاں پر زور دینے کے بدلے ایثار اور کردار حسینؑ پر عمل کرنے کی بالکل پہلی بار

ترغیب دی گئی تھی اس لیے ارباب مجلس نے بالعموم اور اعیان سیاست بالخصوص بار بار کھڑے ہو کر اس جوش و خروش سے داد دی تھی کہ ان کی آوازوں کے تھپیڑوں سے منبر میں جنبش پیدا ہو گئی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ سامعین اپنے اپنے گریبان پھاڑ کر میدان جنگ میں کود پڑیں گے۔ حکومت کے کان تک یہ غلغلہ پہنچا تو اس نے شیعہ خان صاحبوں خان بہادروں اور "سرون" کو طلب کر کے یہ ہدایت کی کہ وہ کوئی ایسی تدبیر نکالیں کہ اس مسدس کا اثر زائل ہو جائے اپنے آقا کا حکم سن کر انہوں نے مشورہ کیا اور مشورے کے بعد وہ تمام حسین کے پرستار یزید کی حمایت پر تیار ہو کر لکھنو کے سب سے بڑے مجتہد سید ناصر حسین صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے یہ کہا کہ ارباب مجلس نے بالعموم اور بانی مجلس حکیم صاحب عالم صاحب نے بالخصوص ہمارے دین کی زبردست توہین کی ہے اور منبر حسین پر جوش صاحب کے سے علانیہ بادہ خوار کو بٹھا کر منبر کی تذلیل کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لیے آپ اس مجلس کے باطل ہونے کا فتویٰ صادر فرما دیں۔

(یادوں کی برات صفحہ ۲۷۵)

## ناصر حسین صاحب قبلہ کا جوشؔ صاحب کو بلانا اور مصلے پر بٹھانا

قبلہ و کعبہ نے مجھے بلا بھیجا۔ مجھے دیکھتے ہی ان تمام سرکار پرستوں کے چہرہ پر حیرانی کی لہر دوڑ گئی اور چائے نوشی کے بعد قبلہ و کعبہ نے اپنے بائیں طرف مصلیٰ بچھوا کر جب مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ جوش صاحب زحمت نہ ہو تو آپ میرے مصلے پر بیٹھ کر اپنا وہ مسدس سنا دیں جو آپ نے آغائی صاحب کے امام باڑہ میں پڑھا تھا تو حکومت کے ایجنٹوں کی صفوں میں ایک کھلبلی اور بوکھلاہٹ پیدا ہو گئی اور جب میں قبلہ و کعبہ کے نعرہ ہائے تحسین کی گونج میں مسدس پڑھ کر اپنی جگہ واپس آ گیا تو انہوں نے سرکار پرستوں کی ٹولی کی طرف دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا کہ آپ حضرات نے یہ حدیث مبارک لاتقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ تو ضرور سنی ہو گی جس کے یہ معنی ہیں کہ جب تم نشے میں ہو تو نماز کے قریب نہ پھٹکو اور اس سے لیے بات مستنبط ہوتی ہے کہ پینے والوں کو ہوش کے عالم میں نماز سے نہیں روکا گیا ہے اور اس سے یہ

نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص نشے کے عالم میں نہیں ہے تو وہ منبر حسین علیہ السلام پر بھی بیٹھ سکتا اور مسجد میں داخل ہو کر نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔ یہ سن کر سرکار پرستوں کا رنگ فق ہو گیا اور میں سمجھ گیا کہ دراصل معاملہ کیا ہے۔

میرے اس مسدس کا انگریزی میں ترجمہ ہو کر جب مسٹر مارش مشیر گورنر (مسٹر مارش میرے باپ کے دوست، مجرموں کے دشمن، بے اسرا لوگوں کے مددگار، اور اپنی آدھی تنخواہ محتاجوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ اگر حکومت مسٹر مارش کے سے شریف حکام سے کام لیتی تو ابھی سو برس اور حکومت کر سکتی تھی) کے ملاحظہ سے گذرا تو انہوں نے مجھے بلا بھیجا۔ بڑی شفقت سے پیش آئے۔ اور کہا اس سے پیشتر جب میں نے آپ کی نظم "ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے خطاب" کا ترجمہ پڑھا تھا میری آنکھیں شرم سے جھک گئی تھیں اور اب جب میں نے آپ کی نظم "حسین اور انقلاب" کا ترجمہ پڑھا تو میں نے آپ کے باب میں یہ رائے قائم کی کہ آپ حق کے پرستار اور باطل کے دشمن ہیں۔ اور اب میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا مسولینی اور ہٹلر دونوں اس وقت یزید کا پارٹ کر رہے ہیں کہ نہیں اور جب میں نے کہا بیشک آپ سچ کہہ رہے ہیں تو انہوں نے مجھ سے دوسرا سوال یہ کیا کہ اگر میں آپ سے یہ درخواست کروں کہ آپ عصر نو کے ان زندہ یزیدوں کے خلاف آل انڈیا ریڈیو سے ہر ہفتے ایک نظم براڈ کاسٹ کرتے رہیے جس کے معاوضہ میں یو پی حکومت آپ کو آٹھ سو ماہانہ انزیریم دیا کرے گی تو کیا آپ اس آفر پیش کش کو قبول نہیں کر لیں گے۔

یہ سن کر میں نے سر جھکا لیا۔ انہوں نے پوچھا کیا بات ہے یہ آفر تو آپ کی افتاد مزاج سے ہم آہنگ ہے۔ میں نے کہا مسٹر مارش میں دو وجوہ کی بنا پر آپ کی بڑی عزت کرتا ہوں ایک تو آپ میرے مرحوم باپ کے دوست دوسرے آپ غریبوں کے بہت بڑے سرپرست ہیں میں کسی انزیریم کے بغیر آپ کے ارشاد کو مان لیتا مگر کیا کروں اپنے اصول سے مجبور ہوں کانگریس نے اس جنگ میں آپ کا ہاتھ بٹانے کی جو شرطیں پیش کی تھیں آپ کی حکومت نے انہیں نہیں مانا مارش نے میری بات کاٹ کر کہا میں آپ سے حکومت کے تعاون کی درخواست نہیں کر رہا ہوں میں تو صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ آپ فقط مسولینی اور ہٹلر کو بے نقاب

کرتے رہیں۔ میں نے کہا اگر میں ایسا کروں گا تو اس کا جو گرانڈ ٹوٹل نکلے گا وہ بالواسطہ آپ کی حکومت کی موافقت پر مشتمل ہوگا۔ مارش یہ سن کر تھوڑی دیر کے لئے تو خاموش ہو گئے پھر اپنی عینک کی تال صاف کر کے وہ بڑے ولولے کے ساتھ کھڑے ہو گئے میں سمجھا وہ مجھ پر حملہ کریں گے میں بھی جوابی حملے کے واسطے کھڑا ہو گیا۔ لیکن وہ میرے قریب آئے اور میری پیٹھ ٹھونک کر کہنے لگے وانڈر فل ینگ مین (حیرتناک جوان آدمی) آپ کے انکار نے میرے دل میں آپ کی عزت قائم کر دی۔ آپ اپنے باپ کی مانند بڑے آدمی ہیں آپ کو دیکھ کر میں نے اپنی اس رائے میں تبدیلی کر لی ہے کہ ہندوستان کی زمین کیریکٹر پیدا نہیں کرتی۔ اگر آپ کو کبھی میری ضرورت پڑے یاد کر لیجیے گا۔ یہ کہہ کر وہ مجھے رخصت کرنے برآمدے تک آئے اور برابر مسکراتے رہے۔

(یادوں کی برات صفحہ ۲۷۶)

## بیعت

اسی زمانہ میں کاکوری کے فرشتہ صورت سجادہ نشین حضرت حبیب حیدر شاہ کے ہات پر میں نے بیعت کر لی تھی۔ سالانہ عرس کے زمانہ میں وہاں بڑی دھوم دھام ہوا کرتی تھی دور دور سے مرید اور اقوام آتے تھے اور کنھیا قوال جب گاتا تھا تو در و دیوار جھومنے لگتے تھے اور تاروں کی ہلکی روشنی اور رات کی چھٹتی ہوئی تاریکی میں جس وقت "آزادوں" (فقراء کا ایک گروہ جو تمام قیود سے آزاد رہ کر مستانہ زندگی بسر کرتا ہے) کی ٹولی اونچی اونچی ٹوپیاں اور لانبی عبائیں پہنے حضرت تراب علی شاہ کے مزار کے روبرو صفیں باندھ کر حضرت علی علیہ السلام کی منقبت میں اے بادشاہ اولیاء مستاں سلامت میکنند گانا شروع کر دیتے تھے تو ایسا نظر آتا تھا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسالت مآب ﷺ حضرت علی علیہ السلام کی مولائی کا اعلان فرما رہے ہیں۔

(یادوں کی برات صفحہ ۱۸۱)

## سچا خواب

بیوی نے مجھے اداس دیکھا ان کے دل پر چھری چل گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے

لگیں تم گھبراؤ نہیں۔ بیوی نے ڈھارس بندھائی۔ میرا دل اور بھی مغموم ہو گیا اور دوسرے کمرہ میں آ کر اپنے بچوں کے مستقبل پر غور کرنے لگا اتنے میں خدا جانے یکا یک کیا لہرائی کہ میں نعت کہنے لگا:

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزم کافری
رعشہ خوف بن گیا رقص بتانِ آذری

نعت کہہ کر کھانا کھایا اور بستر پر دراز ہو کر لحاف اوڑھ لیا سر میں گونجنے لگی۔ بیوی کے خراٹوں نے میرے پپوٹے بوجھل کر دیے۔ فاران کی ہواؤں نے لوری دی اور دو چار کروٹیں بدل کر سو گیا۔ سو گیا تو پچھلے پہر ایک انوکھا خواب دیکھا۔ سچا خواب یا میرے تصورات کا گرداب میں کیا فیصلہ کروں یہ دنیا بڑی حیرت ناک و پر اسرار ہے۔ ہاں تو یہ خواب دیکھا کہ ایک تابناک چہرے کے مرد بزرگ میرے سامنے کھڑے ہیں اور چاند ان کا طواف کر رہا ہے میں نے ان کی طرف نگاہ اٹھائی آنکھوں میں تیرگی آئی بار بار میں نے آنکھیں ملیں غور سے ان کو دیکھا پل بھر میں حافظہ جگمگا اٹھا میں پہچان کر ان کے قدموں پر گر گیا اور منہ ملنے لگا ان کے نعلین پر۔

انہوں نے ہاتھوں کا سہارا دے کر مجھے اٹھا لیا میں نے روتے ہوئے پوچھا۔ کیا آپ وہی میرے رسول ﷺ ہیں جنھوں نے اپنا دیدار لڑکپن میں مجھے دکھایا تھا۔ یہ سن کر وہ مسکرائے اور ارشاد فرمایا میں وہی تمہارے پہلے خواب کا محمدؐ ہوں یہ سنتے ہی میں ان کے قدموں پر گر کر اور ان کے نعلین سے منہ رگڑ رگڑ کر رونے لگا۔

میرے محمدؐ نے فرمایا اٹھ کھڑے ہو میں ہات باندھ کر ان کے روبرو کھڑا ہو گیا انہوں نے کہا تم ہنسنے کے لئے ہو روتے کیوں ہو اور یہ کہتے ہی میری پائنتی کی جانب اشارہ کر کے حکم دیا کہ تم اس شخص کے پاس چلے جاؤ میں نے ادھر نگاہ اٹھائی تو یہ دیکھا کہ ایک بادشاہ سر جھکائے اور ہاتھ باندھے کھڑا ہوا ہے۔

میں نے کہا اے میرے رسولؐ یہ کون ہے انہوں نے ارشاد فرمایا۔ یہ نظام دکن ہے تم کو دس برس تک اس کے زیر سایہ رہنا ہے۔ یہ سن کر میرا دل یکا یک اس طرح دھڑکنے لگا کہ اس

کے ضربات پیہم سے میری آنکھ کھل گئی اور روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ جی بھر کے رو چکا تو بستر سے اٹھا منہ ہات دھونے لگا۔ منہ پر دو چار چھپکے زور زور سے مارے تو حواس بجا ہو گئے۔ ایک نرالی خوشبو میرا احاطہ کیے ہوئے ہے اور خوشبو بھی ایسی کہ عطر اور پھول بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ آخر یہ طلسم ہے کیا۔ کیا یہ خواب کے اثر کا جادو ہے یا سچ مچ کی خوشبو ہے یہ خیال کر کے میں نے بیوی کو جگایا کہ دیکھوں وہ بھی خوشبو محسوس کرتی ہیں یا نہیں۔ بیوی آنکھ ملتی اٹھیں پوچھا ٹہلنے جا رہے ہو۔ میں نے کہا جلدی سے گلوریاں بنا دو۔ بیوی نے کلیاں کیس پاندان کھولا اور جیسے ہی انھوں نے چونے کی چپی اٹھائی بگڑ کر مجھے دیکھا اور پوچھا سچ سچ بتاؤ یہ رات کو مجھے سوتا چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے کہ ایسے مہکے مہکائے اور پھولوں میں بسے چلے آ رہے ہو۔ میں نے کہا اللہ اللہ کرو اشرف جہاں اس چٹیل میدان میں کہاں جاؤں گا۔ لکھنؤ ہوتا تو بات بھی تھی اور میں لکھنؤ میں بھی کبھی ایسا نہیں کرتا۔

اللہ ری ڈھٹائی، جوتیوں سمیت آنکھوں میں گھسے چلے جا رہے ہو۔ تمہارے پاس سے خوشبو کی لپٹیں چلی آ رہی ہیں میں نے تو تمہارے کپڑوں میں عطر نہیں لگایا تھا پھر یہ نگوڑی خوشبو کیوں آ رہی ہے یہ کس غیبائی کی خاک میں ملی سیج کی خوشبو ہے۔

میں نے کہا تمہیں جگا کر تو میں گناہگار بن گیا آؤ اور سونگھ کر دیکھ لو میرے کپڑوں کو اگر میرے کپڑوں میں خوشبو ہو تو میں گنہگار ٹھہر جاؤں گا۔ وہ میرے کپڑے سونگھنے کو اٹھیں اور سونگھ کر کہا تمہارے کپڑوں سے برابر خوشبو آ رہی ہے۔ اب بھی انکار کرو گے۔ میں نے کہا دوسرے کمرے میں چل کر میرے کپڑے سونگھو تب ٹھیک ٹھاک پتا چل جائے گا تم کو۔ انہوں نے کہا یہ کیا کہہ رہے ہو میں نے کہا چلی تو چلو دوسرے کمرے میں۔ پھر میں سارا ماجرا بیان کر دوں گا۔

دوسرے کمرے میں انہوں نے خوب زور زور سے میرے کپڑے سونگھے بار بار سونگھے اور کہنے لگیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ طلسم کیا ہے وہاں تمہارے کپڑوں میں خوشبو تھی یہاں بالکل نہیں ہے کیا تم نے کوئی جنتر منتر سیکھ لیا ہے اس کے بعد میں نے ان سے اپنا سارا خواب بیان کر کے کہا یہ اس خواب کا کرشمہ ہے پہلے تو انہوں نے اپنے منہ پر تھپڑ مار مار کر کان پکڑ کر

توبہ کی اللہ مجھے معاف کرے کہ میں نے اس خوشبو کو نگوڑی کہا تھا اور پھر مجھ سے کہا تم کو بڑی بشارت ہوئی ہے میں تم کو مبارک باد دیتی ہوں۔

میں نے کہا، تم کچھ نہ بولنا، میں گلابو کو اوپر بلاتا ہوں دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا محسوس کرتی ہے۔ میں نے گلابو کو آواز دی وہ اوپر آئی۔ میں نے کہا حقہ بھر لا وہ تمبا کو نکالنے کے لئے الماری کی طرف بڑھی اور دو قدم چل کر اس نے ایک لانبی سانس لے کر پوچھا بی بی یہ کھس بو (خوشبو) کیسی آرہی ہے میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ بھونچکا ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ اتنے میں نیچے سے چھوٹے دادا کی آواز آئی۔ بھائی شبیر حسین خاں آج ٹہلنے کے لئے نہیں چلیے گا۔

میں نے کہا اوپر آجایئے حقے کی دو ایک کش لے کر چلیں گے۔ چھوٹے دادا حسب عادت قہقہے مارتے اوپر آئے اپنی ٹوپی تڑے تخت پر پھینک دی اور کان کھڑے کر کے گہری گہری سانسیں لینے لگے اور پوچھا۔ بھائی شبیر حسن خاں کی بیوی آج تم نے یہ کیسا عطر لگایا ہے کہ سارا کمرہ مہک رہا ہے ایک پھریری ہمیں بھی دیدو الغرض کوئی آدھ گھنٹے تک وہ خوشبو میرے کمرہ کے اندر مچلتی رہی...... وہ خواب و خوشبو کا امتزاج آج تک ایک ایسا معمہ بنا ہوا ہے جس کو میں قطعیت کے ساتھ نہیں سمجھ سکا ہوں۔ ممکن ہے کہ وہ خواب اور اس کے بعد کی وہ خوشبو میرے آبائی عقائد کی ایک محسوس کیفیت یا میرے شاعرانہ تصورات کی حیرت ناک خلاقی ہو۔ ایسی خلاقی جو حواس کو فریب دے سکتی ہو۔ یا جناب والا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کے اس ابتدائی دور کے تمام قیاسات اور اب تک تمام سائنسی انکشافات سے قطعاً مختلف کوئی اور ہی چیز ہو۔ بابا اس عالم امکاں میں وہ کیا ہے جو ہو نہیں سکتا۔ ہماری اس دنیا کا یہ ہوسکتا پن اور اس کی یہ امکانیت ایک ایسا بے کراں میدان ہے جس کی حد بندی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ
ایں ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

(یادوں کی برات صفحہ ۲۱۶)

# سرِ امارت سے حصیر ملازمت کی جانب

اس خواب کے بعد میری ضعیف الاعتقاد بیوی میرے پیچھے پڑ گئیں کہ تم کو رسول اللہ نے حکم دیا ہے دکن جانے کا جاؤ اور جلدی جاؤ۔ بیوی بیچاری کو تو میں نے کھٹ سے ضعیف الاعتقاد کہہ دیا...... لیکن، اپنے گریبان میں منہ ڈال کر یہ بات نہیں سوچی کہ اس وقت میں بھی کون سا بقراط اعظم تھا۔ یہ سچ ہے کہ میں تحفِ رافت سے بھی بدگمان ہو چکا تھا لیکن ان دو برجوں کے گر جانے سے ہوتا کیا ہے دین کی پوری عمارت تو مسمار ہو کر نہیں رہ گئی تھی۔ اس لیے میں بھی اس بشارت کے امتحان کی خاطر حیدر آباد جانا چاہتا تھا یعنی بیوی ہی کے دل میں نہیں میرے دل میں بھی چور تھا جو رنگ لائے بغیر نہیں رہا۔

یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ سفرِ دکن خالی ایک معاشی مسئلہ نہیں تھا بلکہ میری ایک روحانی گتھی بھی ایسی تھی جو حیدرآباد جائے بغیر کھل ہی نہیں سکتی تھی۔ ہر چند حیدر آباد جانے کی اجازت میرے دل میں ٹھن چکی تھی مگر سوچتا تھا وہاں مجھے پوچھے گا کون نہ ایم اے ہوں نہ صدر الافاضل۔ لے دے کر ایک میری صرف ایک کتاب "روحِ ادب" چھپ کر مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ مگر ایک ٹٹرونوں کتاب سے ہوتا ہی کیا ہے۔ ایک کتاب کی اشاعت و مقبولیت سے کہیں شخصیت بنا کرتی ہے۔ شخصیت تو بنتی ہے ایک جگ بیت جانے اور سالہا سال خونِ جگر تھوکنے کے بعد اور پھر یہ خیال بھی آتا تھا کہ میرا مزاج بہت ہی نازک نوکری کا ننگ برداشت ہو گا کیوں کر اور اقربا و احباب بھی یہی مشورہ دیتے تھے کہ اس خبط سے دست بردار ہو جاؤ اور اگر ایک مہینے کے اندر اندر نظامِ دکن کو گالیاں دے کر واپس نہ آ جاؤ تو جو چور کی سزا وہ ہماری۔ یہ تمام باتیں سچائی کے عنصر سے خالی نہیں تھیں۔ لیکن میری بیوی اور خود میرا دل حکم دے رہا تھا کہ حیدر آباد جائے بغیر دم نہ لے۔

الغرض عثمانیہ یونیورسٹی کے پروفیسر وحید الدین صاحب سلیم سے خط و کتابت کر کے اور مہاراجہ کشن پرشاد کے نام حضرت اقبال، مولانا عبدالماجد دریابادی حضرت اکبر الٰہ آبادی اور مولانا سلیمان ندوی سے سفارشی خط حاصل کر کے میں ۱۹۲۴ء کے اوائل میں حیدر آباد پہنچ

گیا۔ (میرا رخت سفر۔ جب گھر سے باہر جانے لگا تو ایسا معلوم ہوا کہ عزت آباد کا جنازہ اٹھ رہا ہے اور میری ماں نے جب یہ بین کیا کہ اے میرے قبر میں سونے والے سرتاج آؤ اور دیکھو کہ تمہارا نازوں کا پلا بچہ نوکری کرنے باہر جا رہا ہے تو گھر میں پٹس پڑ گئی اور جب آہ و فغاں کے شور میں سب سے گلے مل مل کر میں رخصت ہونے لگا اور اب خاندان کے جبر سے بیوی کو گلے نہ لگا سکا تو ان کی ڈبڈبائی آنکھوں نے مجھ سے کہا۔ ہم سے گلے نہیں ملے میں نے اداسی کے ساتھ آنکھیں جھکالیں۔ اور جب اپنے دھڑکتے دل پر قدم رکھتا باہر آیا تو تمام نوکر چاکر بھی رونے لگے اور جب ملیح آباد سے ریل چلی باپ کی رندھی ہوئی آواز آئی۔ اے میرے لاڈلے بیٹے اللہ تیرا نگاہبان ہائے کیا کروں موت نے بیکس کر دیا ہے تجھ کو روک نہیں سکتا اور اسی کے ساتھ ساتھ میرے دادا کے باغوں نے جھک جھک کر مجھے سلام کیا او رسرزمین وطن نے گریبان پھاڑ کر خدا حافظ و ناصر کا نعرہ لگایا۔ اور میں کلیجہ مسوس کر رہ گیا۔ میں نے ایک نظم اسی زمانہ میں الوداع کے نام سے لکھی تھی جو نقش و نگار میں موجود ہے۔ اسے پڑھ کر میری اس وقت کی حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔)

حیدر آباد میں سب سے پہلے مہاراجہ کشن پرشاد سے ملا۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے کہا جوش صاحب آپ کا مجموعہ کلام "روح ادب" دیکھ کر تمنا کی تھی کہ اللہ اس درویش صفت رئیس زادے سے ملائے سو میری وہ تمنا آج پوری ہو گئی۔ میں نے وہ سفارشی خط پیش کیے انہیں پڑھ کر وہ کچھ سوچنے لگے اور تخلیے میں لے جا کر مجھ سے کہا جوش صاحب یہ بات اپنے تک رکھیے گا کہ میں آج کل سرکار کا معتوب ہو چکا ہوں اگر آپ میرے زمانے میں تشریف لاتے تو میں اسی دن آپ کا انتظام کر دیتا بہر حال میں فنانس منسٹر اکبر حیدری کے نام ابھی خط لکھے دیتا ہوں۔ وہ مجھے بہت مانتے ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کی خدمت میں کوتاہی نہیں کریں گے۔ یہ کہتے ہوئے تین صفحوں کا لمبا چوڑا خط لکھ کر میرے حوالے کر دیا اور فون کر کے اسی وقت انہوں نے حیدری سے میری زبردست سفارش بھی کر دی، اور اس کے ساتھ ساتھ سر راس مسعود کو بھی فون پر ہدایت کر دی کہ وہ مجھ کو اپنے ساتھ لے جا کر حیدری سے ملا دیں۔ راس مسعود مجھے حیدری کے پاس لے گئے اور کہا یہ ہماری قوم کے ایک ابھرتے ہوئے شاعر ہیں

ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ آپ کے دوست حضرت اقبال نے بھی ان کی بڑی زبردست سفارش کی ہے اور مہاراجہ نے بھی یہ خط آپ کو بھیجا ہے۔

حیدری صاحب نے خط پڑھ کر کہا ان کے متعلق مہاراجہ مجھ کو فون کر چکے ہیں اور پھر میری طرف منہ کر کے حیدری صاحب نے کہا آپ آئندہ جمعرات کے دن صبح دس بجے میرے پاس آجائیں میں آپ کو سرکار سے ملا دوں گا۔

(ہر چند حیدری صاحب کے اس وعدہ سے مجھ کو بڑی خوشی ہوئی تھی مگر وہ جو کہاوت ہے کہ بکری نے دودھ دیا سو وہ بھی مینگنی بھرا۔ مجھے ان کے لہجہ سے بڑی تکلیف ہوئی تھی وہ ''میں'' ''میں'' کر رہے تھے اور میں دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ اللہ نے میری کشود کار کی صورت نکالی تو مگر ایک بکری کی معرفت۔ خوب جانتا ہوں کہ در حقیقت لہجے اچھے ہوتے ہیں نہ برے ان کا اچھا یا برا لگنا محض ہوتا ہے کانوں کی موروثی عادت پر اور ہم جس لفظ کا تلفظ بچپن سے جس طور پر سنتے آتے ہیں جب وہی لفظ بدلتے ہوئے لہجے میں سنتے ہیں تو ہم کو تکلیف ہوتی ہے لیکن یہ سب کچھ سمجھنے کے باوجود آج بھی جب کوئی شخص لفظ ''ادب'' کی دال کو ساکن کر کے ''ادب'' یا گاڑی کو ''گڈی'' کہتا ہے تو بیساختہ جی چاہتا ہے کہ اس کو اٹھا کر دے ماروں یہ بات فقط لہجوں تک محدود نہیں عقائد کے میدان میں بھی ہمارا یہی عالم ہے کہ جب ہم اپنے موروثی عقائد کے خلاف کوئی بات سنتے ہیں تو بگڑ جاتے ہیں حالانکہ عقائد ذہن انسانی کے موروثی عادات کے سوا اور کچھ ہوتے ہی نہیں)

ابھی جمعرات میں دو دن باقی تھے کہ حیدری صاحب نے مجھے بلا بھیجا۔ راس مسعود بھی وہاں موجود تھے نہایت نفیس چائے پلائی اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے انہوں نے مجھ کو ان قطعات کا ایک بنڈل دیا۔ جو شاعروں نے ان کے خطاب ''سر'' کی مبارک باد کے طور پر کہہ کر ان کی خدمت میں پیش کیے تھے۔ میں وہ قطعات پڑھ چکا تو حیدری نے کہا جوش صاحب آپ بھی ایک ''کتا'' (قطعہ) کر دیں۔ ایک طرف تو لفظ قطعہ کو ''کتا'' سن کر میں بھنا گیا اور دوسری طرف چونکہ فرنگی حکومت سے بیزار تھا میرے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا......

حیدری صاحب نے مجھ سے پوچھا آپ یکا یک اس قدر سیریس (Seriuos) سنجیدہ کیوں

ہو گئے میں نے کہا آپ برا نہ مانیں تو کہوں کہ فرنگی جس شخص کو خطاب دیتا ہے اس پر ماں کی گالی پڑ جاتی ہے یہ سن کر راس مسعود اور حیدری چراغ پا ہو کر کھڑے ہو گئے مجھ کو تنہا چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ میں اپنی قیام گاہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ (ذرا دیکھیے تو میری دانائی۔ ارے ملازمت کی خواستگاری اس پر یہ برہنہ گفتاری۔ سچ کہا تھا خدا بخشے محمد غنی خاں نے کہا کہ بھائی شبیر حسن خاں شعر و یر، میں تو خیر باقی اور تمام باتوں میں تم مہاتما قسم کے ہو......)

جب یہ بات سنی تو نواب مہدی یار جنگ میرے پاس آئے اور کہا میں آپ کو اپنے والد نواب عماد الملک کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ میرے والد سفارش کے معاملے میں اس قدر سخت ہیں کہ جب میں کیمرج سے امتحان پاس کر کے آیا تھا تو انہوں نے میری سفارش تک سے انکار فرمایا تھا۔ بہر حال میں آپ کو ان کے پاس لیے چلتا ہوں، ہر چند مشکل سے دو فیصد امید ہے لیکن اگر انہوں نے سفارش کر دی تو حیدری صاحب کی لاکھ سفارشوں پر بھاری ہو گی۔ ان کے ساتھ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک اسی پچاسی برس کے مرد بزرگ برآمدے کی بڑی آرام کرسی پر دراز ہیں اور ان کے چہرہ پر علم و فضل اور مضبوط کردار کا جلال برس رہا ہے۔

مہدی صاحب نے میرا تعارف کیا۔ اعتنا کی ایک دھاری بھی ان کے چہرے پر نہیں دوڑی میرے دل پر زبردست چوٹ لگی لیکن پی گیا میری اہمیت ظاہر کرنے کے لئے مہدی صاحب نے کہا یہ جوش صاحب حسام الدولہ تہور جنگ نواب فقیر محمد خاں گویا کہ پوتے ہیں یہ سن کر وہ چونک پڑے اور کہنے لگے شمالی ہندوستان کا وہ ایسا کون باشندہ ہے جو ان کے دادا کے نام سے واقف نہ ہو۔ لیکن ان کی ذات میں بھی کوئی جوہر ہے۔

مہدی صاحب نے کہا یہ بہت اچھے شاعر ہیں آپ اجازت دیں تو جوش صاحب کچھ سنائیں۔ انہوں نے کہا اچھا مہدی صاحب نے مجھ سے کہا جوش صاحب ارشاد۔ اور جب میں نے اپنے مسدس کے تین چار بند سنائے تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور کہنے لگے اس نوجوان میں تو انیس کی روح بول رہی ہے۔ یہ عمر اور اس قدر پختگی میں تو سمجھتا تھا آج کل نوجوانوں

کی طرح یہ بھی آئیں بائیں شائیں کہتے ہوں گے۔ مگر ان کے کلام میں تو روانی بھی ہے اور معانی بھی۔ مہدی خط لکھنے کا کاغذ لاؤ۔ مہدی صاحب کی باچھیں کھل گئیں۔ جلدی سے اندر جا کر کاغذ و قلم لے آئے آرام کرسی کے دونوں ہتھوں پر ایک تختہ رکھ دیا۔ نواب عماد الملک نے پورے ایک صفحے کا سفارشی خط لکھا اور کہا کہ مہدی تم یہ خط سرامین جنگ کے حوالے کر کے میری طرف سے کہہ دینا کہ سرکار کے روبرو پیش کر دیں۔

نواب عماد الملک کے مکان سے گیسٹ ہاؤس آیا چھوٹے دادا (میں انہیں اور رمضانی باورچی کو ملیح اباد سے اپنے ساتھ لایا تھا) نے تار دیا۔ تار کھول کر پڑھا تو معلوم ہوا کہ میری بیوی پرسوں شام کی گاڑی سے حیدرآباد آ رہی ہے۔ میں حیران ہو گیا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ ملازمت تو در کنار میں نے ابھی تک تو نظام کو دیکھا بھی نہیں ہے اور بیوی ہیں کہ چلی آ رہی ہیں۔ لیکن میں کر ہی کیا سکتا تھا۔ تیسرے دن میری بیوی دونوں بچوں اور اپنے ماموں کو ساتھ لیے حیدرآباد آ گئیں اور گیسٹ ہاؤس پہنچتے ہی آب دیدہ ہو کر کہنے لگیں کہ میں یہاں اس لیے آئی ہوں کہ تمہارے دونوں بچے تمہارے حوالے کر دوں اور خود اپنی ہیرے کی انگوٹھی کچل کر کھا لوں اور اس دنیا سے سدھار جاؤں۔ یہ سنتے ہی میرے ہوش اڑ گئے۔ اور گھبرا کر پوچھا اشرف جہاں خدا کے واسطے جلدی بتاؤ آخر بات کیا ہے انہوں نے روتے ہوئے کہا ماموں کو بلا کر پوچھ لو۔ ماموں نے آ کر جیب سے ایک تار نکالا۔ میں نے تار پڑھا تو معلوم ہوا کہ کسی اللہ کے بندہ نے یہ تار بھیجا تھا کہ آپ کے شوہر عقد ثانی کر رہے ہیں فوراً حیدرآباد پہنچ جایئے۔ میں نے کہا اشرف جہاں یہ تار بالکل جھوٹا ہے۔ بیوی نے کہا اگر یہ تار جھوٹا اور تم سچے ہو تو اپنے بچوں کے بازو پکڑ کر قسم کھا لو کہ تم دوسرا نکاح نہیں کر رہے تھے او رجب میں نے اپنے بچوں کے بازو پکڑ کر بڑے ولولے کے ساتھ قسم کھائی تو ان کا چہرہ بحال ہو گیا۔ اتنے میں چھوٹے دادا ہنستے ہوئے آئے اور میری بیوی کے دل پر اپنی خیر خواہی کا سکہ بٹھانے کی خاطر انہوں نے کہا بھائی شبیر حسن خاں کی بیوی یہ تار میں نے دیا تھا۔ میں نے برا مان کر کہا چھوٹے دادا آپ کو ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیے تھا، انہوں نے کہا میرے بھائی برا نہ مانو مجھ سے یہ کب ہو سکتا تھا کہ تمہارا گھر بگڑے اور میں بیٹھا تماشہ دیکھتا رہوں۔ میں نے کہا

آپ کیسی باتیں کررہے ہیں۔میرا گھر بگڑ کب رہا تھا۔انہوں نے کہا وہ شوق والی بات یاد کرو جو ایک لڑکی کا پیام لے کر تمہارے پاس آئے تھے۔بیوی نے بگڑ کر مجھے دیکھا اور کہا لو اب تو بات کھل گئی ہائے تم کیسے باپ ہو تم نے اپنے دونوں بچوں کی بانہیں پکڑ کر جھوٹی قسم کھالی۔

میں نے جھلا کر کہا اپنے بچوں کی جھوٹی کھانے والے قصائی پر میں ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔اب پوری بات مجھ سے سن لو۔

یہاں ایک بہت بڑے جاگیردار ہیں ان کی صاحبزادی نے خدا جانے مجھے کیوں کر دیکھ لیا کہ مجھ پر عاشق ہوگئیں اپنی خادمہ کے ہات خط بھیجا اور لکھا کہ میری ماں نے میرے باپ کو اس بات پر تیار کرلیا ہے کہ وہ آپ سے میری شادی کردیں۔کل ابا کے مصاحب شوق صاحب آئیں گے آپ کے پاس۔چنانچہ اس کے دوسرے روز ہی شوق صاحب نے ان جاگیردار صاحب کا نام لے کر مجھ سے آکر کہا کہ اگر آپ ان کی صاحبزادی سے نکاح پر آمادہ ہوں تو میں ان کے والد ماجد کو اس بات پر راضی کرسکتا ہوں کہ وہ اپنی صاحبزادی کا آپ سے نکاح کردیں اور اسی کے ساتھ انہوں نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کے رہنے کے لئے ایک کوٹھی اور ایک کار کا انتظام کردیا جائے گا۔آپ کے تمام خانگی مصارف جاگیر سے ادا کئے جائیں گے اور پندرہ سو روپیہ ماہانہ جیب خرچ بھی آپ کو دیا جائے گا۔

بیوی نے بڑی گھبراہٹ کے ساتھ بات کاٹ کر پوچھا۔اور پھر تم نے کیا جواب دیا۔

میں نے کہا کہ میں نے یہ جواب دیا کہ شوق صاحب میری شادی ہوچکی ہے میں دو بچوں کا باپ ہوں۔ہم میاں بیوی کو ایک دوسرے سے بے حد محبت ہے اور میں یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ ان پر سوت لاؤں یہ کچھ کہہ کر میں نے چھوٹے دادا سے کہا کیوں صاحب میں نے آپ سے یہی بات کہی تھی نا یا کچھ اور چھوٹے دادا نے کہا نہیں یہی بات کہی تھی۔میں نے کہا جب آپ کو معلوم ہوچکا تھا کہ میں سراسر انکار کرچکا ہوں تو پھر آپ نے میری بیوی کو تار کیوں دے دیا۔چھوٹے دادا نے کہا میرے بھائی آدمی کو بدلتے دیر نہیں لگتی میں نے سوچا کہ تمہاری بیوی کو بلا کر تم پر مسلط کردوں۔

یہ بات سن کر میری بیوی کا کانٹا نکل گیا۔کہنے لگیں اس بھڑوے شوق کو اب بھی اپنے

گھر نہ آنے دینا۔ علی کی تیغ تو نے اس گھوڑے پر میرا لاکھ کا گھر خاک کرنے آیا تھا سوا، دوسرے ہی دن بیوی نے مٹھائی منگا کر مولا مشکلکشا کی نیاز دلائی اور گھر کا مطلع صاف ہو گیا۔

ایک روز میں اس بات پر غور کر رہا تھا کہ نواب عماد الملک کے خط کو بھی تقریباً ایک ماہ گزر چکا ہے لیکن نظام نے مجھے اب تک طلب نہیں کیا ہے۔ شاید وہ تیر بھی خطا کر گیا کہ پل بھر میں غم گیں ہونے کے عوض۔ میرے دماغ میں ایک مسخرگی کی لہر دوڑ گئی اور اس نے کھٹ سے ایک بازاری سا مطلع کہہ کر پیش کر دیا۔ اس مطلع پر مجھے بیساختہ ہنسی آ گئی میں ہنستا ہوا بیوی کے پاس آیا۔ لو اشرف جہاں ایک مطلع سنانے اور یہ بھی بتانے آیا ہوں کہ اس مطلع کے بعد میرے دل سے برابر یہ آواز آ رہی ہے کہ یا تو نظام آج ہی مجھ کو حیدرآباد سے نکال دیں گے یا آج ہی اپنے پاس بلا لیں گے۔ ان دو باتوں کے سوا کوئی تیسری بات ہو ہی نہیں سکتی۔

بیوی نے مسکرا کر کہا مجھ پر تمہاری درویشی کا سکہ نہیں بیٹھ سکتا۔ تم آئے دن تو ''زلفِ پیچاں'' اور ''رُوئے خوباں'' لکھتے رہتے ہو اور میرے سامنے آئے ہو ولی اللہ بن کر۔

میں نے کہا تم میرے مرتبہ سے واقف ہو۔ حشر کے میدان میں جب تم پوچھو گی کہ ارے یہ کون ہے کہ اللہ میاں کے قدموں کے پاس بیٹھا ہوا گڑ گڑ حقہ پی رہا ہے تو فرشتے جواب دیں گے کہ یہ اعلیٰ حضرت جوش صاحب قبلہ ہیں اور تم بھڑ بھڑا کر میرے قدموں پر گر پڑو گی۔ وہ ہنستے ہنستے لوٹ گئیں اور خوب ہنس چکیں تو کہا اچھا وہ شعر تو سناؤ میں نے کہا مطلع کو شعر کہہ رہی ہو ماشاء اللہ۔

انہوں نے کہا زیادہ لیاقت نہ بگھارو اور مطلع سناؤ۔ میں نے کہا سنو:

دشمن ہوں اس زمین پہ شاہ وزیر کا
لونڈا ہوں آسماں پہ جناب امیر کا

مطلع سنتے ہی توبہ توبہ کر کے انہوں نے اپنا منہ پیٹ لیا۔ کہنے لگیں تم کھڑے کھڑے دوزخ میں جاؤ گے توبہ توبہ۔ ارے کہاں جناب امیر اور کہاں یہ باتیں اور پٹھان ہو کر اپنے کو لونڈا کہتے ہوئے تمہیں شرم بھی نہیں آتی۔ میں نے کہا ارے خاک سمجھتی ہو تم شاعری کی

زبان۔ اس شعر میں لونڈے کے معنی ہیں ''روحانی چیلا'' اور ''چھیا'' تمہیں کیا خبر کہ ہم شعرائے کرام الفاظ کے معنی یوں بدل دیتے ہیں کہ لغات کا منہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے۔

بیوی نے کہا بھاڑ میں جائے ایسا مسخرہ پن کہ اسی آن دروازے پر موٹر آ گئی ''زن زن'' اور برآمدے میں تال بجنے لگی ٹھن ٹھن (اہل حیدر آباد تالی بجا کر اپنے آنے کی اطلاع دیتے ہیں)۔ باہر آیا تو دیکھا نواب وقار نواز جنگ کھڑے ہیں مجھے دیکھتے ہی انہوں نے کہا مبارک ہو جوش صاحب سرکار نے آپ کو یاد فرمایا ہے ابھی تیار ہو جائیے۔ میں اندر گیا او ربیوی کے سامنے جھک کر کہا اداب بجالاتا ہوں بیگم صاحب کیا میں نے ابھی یہ نہیں کہا تھا کہ یا تو نظام مجھے آج ہی نکال دیں گے یا آج ہی بلا لیں گے۔ دیکھا جو اس درویش نے کہا تھا وہی ہوا نا۔ نظام نے مجھے بلوا بھیجا ہے بیوی نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا بہت شیخی نہ بگھارو جلدی کپڑے پہنو اور جاؤ۔ کنگ کوٹھی (نظام کے محل کا نام) کی کائی لگی کالی کھالی، دیواروں اور اس کے شاہانہ پھاٹک کے بوسیدہ پردے پر عبرت کے ساتھ نگاہ ڈالتا اور بے پایاں دولت کے پیداہ کردہ بے کراں افلاس پر غور کرتا جب محل سرا کے اندر پہنچا تو یہ حسرت ناک تماشا دیکھا کہ وہاں سبزے کا فرش ہے نہ کیاریاں، پھولوں کے پودے نہ سرو چنار نہایت بے قاعدگی کے ساتھ ادھر ادھر بکھری پکڑی ہیں۔ سامنے ایک نہایت چھوٹا سا تین سیڑھیوں کا برامدہ ہے برآمدے میں ایک بے پالش چھوٹی سی کرسی پر ایک ادھیڑ خشک چہرے کا دبلا پتلا میلے اور پیوند لگے کپڑے پہنے اکڑا ہوا بیٹھا ہے اور اس کی بے پھندنے کی بوسیدہ ترکی ٹوپی کے کناروں پر میل کی ایک چوڑی تہ جمی ہوئی ہے اور اس کے سامنے تیس چالیس عمائد شہر اور اعیان ریاست دستار و بگلوس لگائے اونگھی مرغابیوں کے مانند دست بستہ و سرنگوں کھڑے ہوئے ہیں اور ان کے پیچھے بہت سے چیڑ کے ناکارہ بکس پڑے ہوئے ہیں۔

میری نذر قبول کر کے انہوں نے اپنے دستہ بستہ حاضرین سے کہا انہیں پہچانتے (پہچانتے ہو) عماد الملک نے لکھا ہے کہ یہ فقیر محمد خاں گویا کے پوتے ہیں۔ اگر اودھ کی سلطنت برباد نہ ہو جاتی تو یہ دکن کیوں آتے ادھے مسلمانوں کو ادھر سنبھال لیتا ادھے مسلمانوں کو دکن۔ اس کے بعد نظام نے اپنے استاد حضرت جلیل مانک پوری کو مخاطب کر

کے کہا استاد ان کے خاندان سے تم تو خوب واقف ہو گے (استاد تک کو آپ نہیں تم سے مخاطب کیا جاتا تھا دولت جو چاہے کرے کون بول سکتا ہے) استاد نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ خداوندان کے والد نواب بشیر احمد خاں نے اس وقت میری امداد کی تھی جب کہ میرے استاد حضرت امیر مینائی کے انتقال کے بعد کوئی میرا سرپرست باقی نہیں رہا تھا۔ جلیل صاحب کی اس شرافت پر میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ نظام نے حضرت جلیل کا یہ اعتراف احسان سن کر او رمیری آنکھوں کی نمناکی کو دیکھ کر کہا۔ استاد آپ اور جوش، دونوں بڑے شریف آدمی ہیں۔ آپ نے سب کے سامنے یہ بات بے جھجک کہہ دی کہ ان کے والد نے تمہاری مدد کی تھی اور تمہارا یہ اعتراف سن کر جوش کی آنکھوں میں انسو آ گئے مجھ کو تم دونوں کی یہ بات بہت پسند آئی اور مجھ سے مخاطب ہو کر نظام نے کہا عماد الملک نے یہ بھی لکھا ہے کہ نوجوان ہونے کے باوجود تمہاری شاعری میں اساتذہ کی سی پختگی پائی جاتی ہے اپنی کوئی چیز سناؤ۔ میں نے مطلع سنایا۔

ملا جو موقعہ تو روک دونگا جلال روز حساب تیرا
پڑھونگا رحمت کا وہ قصیدہ کہ ہنس پڑے گا عتاب تیرا

نظام کے چہرے پر پسندیدگی کا رنگ دوڑ گیا۔ زیر لب واہ کہا اور جب میں نے یہ شعر پڑھا:

جڑیں پہاڑوں کی ٹوٹ جاتیں فلک تو کیا عرش کانپ اٹھتا
اگر میں دل پر نہ روک لیتا تمام زور شباب تیرا

تو نظام نے جھوم کر کہا بہت اچھا بہت اچھا اور تمام حاضرین زور زور سے داد دینے لگے اور میری غزل کے اختتام پر نظام نے کہا استاد جلیل ان کے تیور بتا رہے ہیں کہ بوڑھے ہو کر یہ تمہاری سری کے ہو جائیں گے (ا۔ درجے کے ہم پایہ، ہم سر) اس کے بعد انہوں نے پوچھا جوش تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ میں نے کہا میری شادی ہو چکی ہے اور میری بیوی یہاں آ بھی چکی ہیں۔ یہاں آ چکی ہیں انہوں نے حیرت سے کہا اور پھر فرمایا کہ تمہاری ملازمت سے پیشتر وہ یہاں کیوں چلی آئیں انہوں نے یہ خیال کیوں نہ کیا کہ اگر تم کو

یہاں ملازمت نہ مل سکی تو ان کا یہاں چلا آنا بیکار ہو جائیگا۔ میں نے کہا سرکار میری بیوی کو اس بات کا یقین ہے کہ ایسا ہو نہیں ہوسکتا کہ مجھ کو یہاں ملازمت نہ ملے۔ نظام نے پوچھا تمہاری بیوی کو اس بات کا یقین کیوں تھا کہ تم کو یہاں ملازمت ضرور ہی مل جائیگی۔ یہ سوال سن کر میں چپ ہو گیا۔ سوچنے لگا کہ اس خواب کا ماجرا کہوں یا نہ کہوں۔ میری اس ششں و پنج کو دیکھ کر نظام نے کہا بولو جی بولتے کیوں نہیں۔ اس موقع پر مہدی یار جنگ ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور چوں کہ میں ان سے اپنا خواب بیان کر چکا تھا انہوں نے کہا خداوند کی اجازت ہو تو فدوی اس کی علت بیان کر دے۔ نظام نے کہا بولو۔ بولو اور جب مہدی صاحب نے میرا تمام خواب بیان کر دیا تو نظام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہا تو یہ بولو کہ سرکار دو عالم نے جوش کو میرے سپرد فرمایا ہے یہ کہا اور وہ اپنے دونوں ہات سینہ پر رکھ کر جھک گئے اور تمام دربار پر ایک گہرا سکوت چھا گیا۔

اس باریابی کے ایک ہفتے کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ دارالترجمہ کے ناظم عنایت اللہ صاحب نے جو مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی کے فرزند اور اکبر حیدری اور راس مسعود کے پرستار ہونے کی بناء پر میرے بدخواہ بن چکے تھے۔ مجھے بلا کر کہا جوش صاحب مبارک ہو یہ لیجیے شاہی فرمان سرکار نے پولیٹیکل اکانومی کے مترجم کی حیثیت سے آپ کا تقرر فرمایا ہے۔

میں نے ان سے کہا پولیٹیکل اکانومی سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے خوش ہو کر کہا تو پھر آپ انکار لکھ دیں میں نے فرمان کے حاشیہ پر لکھ دیا کہ سرکار والا تبار کا بے حد شکریہ لیکن چوں کہ پولیٹیکل اکانومی میرا سبجیکٹ نہیں رہی ہے اس لیے مجھے افسوس ہے کہ میں اس کام کو باحسن الوجوہ نہیں کر سکونگا البتہ اگر انگریزی ادب کے ترجمے کا کام میرے سپرد کیا جائے گا تو اسے بڑی خوبی کے ساتھ انجام دے سکوں گا۔ عنایت اللہ نے کہا انگریزی ادب تو انگریزی ہی میں پڑھایا جاتا ہے اس لیے اس کے ترجمے کا کوئی جواز نہیں ہے آپ یہ عبارت قلم زد کر دیں میں نے کہا کیا مضائقہ ہے رہنے دیجیے کاٹونگا تو بدنمائی پیدا ہو جائے گی۔ عنایت اللہ نے کہا ناظم شعبہ ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے میں آپ کی عبارت کے نیچے یہ نوٹ لکھ دوں کہ انگریزی ادب براہ راست پڑھا جاتا ہے۔ اس کا ترجمہ ایک فعل عبث

ہوگا۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔ میں نے کہا بڑے شوق سے لکھ دیں آپ۔

اس کے چوتھے یا پانچویں دن عنایت اللہ خود میرے پاس آئے اور کہنے لگے جوش صاحب مبارک ہو سرکار نے انگریزی ادب کے مترجم کی حیثیت سے آپ کا تقرر فرمایا یہ لیجئے فرمان اور لکھ دیجیے اپنی منظوری۔ میں نے دیکھا کہ فرمان میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ہر چند اس نئے عہدے کے قیام کا کوئی جواز نہیں ہے لیکن سر دست جوش ملیح آبادی کا مترجم انگریزی ادب کے عہدے پر فوراً تقرر کیا جائے اور جب ان کو ترقی مل جائے تو اس عہدے کو توڑ دیا جائے۔ میں نے شکریہ کے ساتھ اس فرمان پر دستخط کر دیے اور عنایت اللہ صاحب کے چلے جانے کے بعد میں نے بیوی کو یہ خوش خبری سنائی انہوں نے اپنے دونوں ہاتوں کی انگلیاں اپنے ماتھے پر چٹکا کر کہا، قربان جاؤں اپنے رسول اللہ کے دیکھی تم نے اس خواب کی تعبیر۔ تم نے تو حیدری سے بگاڑ کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری تھی لیکن اللہ نے تمہاری مدد کی۔ عماد الملک تمہاری پشت پناہی کو کھڑے ہو گئے میں تو کہتی ہوں پتھر سے پانی نکل آیا اور دوسرے ہی دن بیوی نے بڑی دھوم سے میلاد کیا اور محلے بھر میں مٹھائی بٹوائی۔ تقرر کے بعد شکریے کی نذر لے کر پہنچا، ایک نذر اپنی طرف سے دو نذریں بیوی بچوں کی طرف سے پیش کیں۔ نظام نے کہا ابھی کیا ہے میں تمہیں اس قدر دونگا کہ گھر میں رکھنے کی جگہ باقی نہیں رہے گی۔ کئی بیویاں ہیں تمہاری!

میں نے کہا میری تو صرف اک ہی بیوی ہیں انہوں نے کہا میں نے سنا ہے اودھ کے تعلقہ داران کے بہت سے بیویاں ہوتے ہیں"۔ میں نے کہا سرکار والا پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم میاں بیوی ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ میری بیوی بھی میری ہی طرح پٹھانسل کی ہیں اور اس پر طرہ کہ کئی برس سے وہ بیچاری شدید اختلاج قلب میں مبتلا ہیں۔ اگر میں دوسری شادی کرلوں گا تو ان کی پٹھنوی اور ان کا اختلاج یہ دونوں مل کر انہیں ہلاک کر ڈالیں گے۔

نظام نے اختلاج کا حال سنا تو پوچھا کب سے ہے۔ میں نے کہا چار پانچ برس سے ہے۔ پوچھا کس کس کا علاج کرا چکے ہو۔ میں نے ان کے معالجوں کے نام بتا دیے۔ پھر

سوال کیا اب تک علاج پر کس قدر روپیہ برباد کر چکے ہو۔ میں نے کہا کم سے کم پندرہ بیس ہزار تک برباد کر چکا ہوں لیکن مرض ہے کہ جانے کا نام نہیں لیتا۔ یہ سن کر نظام نے سیدھے ہو کر بڑے فخریہ انداز میں کہا کہ میں ڈاکٹری اور طب میں اس قدر دست گاہ رکھتا ہوں کہ، ہر چند میں باقاعدہ مطب نہیں کرتا لیکن بڑے بڑے ڈاکٹران اور طبیبان کے لباں نہیں کھلتے میرے سامنے۔

یہ کہہ کر وہ اندر گئے اور دو چار منٹ کے بعد آ کر چوب دار کو آواز دی کہ لے یہ پانچ رپاں عیسیٰ میاں کے بازار کے دواخانے سے گاؤ زبان اور خمیرہ مروارید لے آ۔ جب دونوں دوائیں آ گئیں تو ان کو میرے حوالے کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ دوائیں صبح و شام اپنی بیوی کو کھلاؤں پلاؤں کسی دن ناغہ نہ ہو۔ دوں اور عین مرگ (ا۔ دکن میں برشگال یوم اولیں کو مرگ کہتے ہیں) اور عین مرگ کے دن آ کر بتاؤں کہ اب میری بیوی کیسی ہیں۔

اس واقعہ کے پندرہ بیس دن کے بعد عین مرگ کے دن کنگ کوٹھی گیا دو نذریں پیش کیں۔ اشرفیوں کو دیکھ کر ان کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ پوچھا یہ دوسری نذر کس کی طرف سے ہے۔ میں نے کہا یہ میری بیوی کی طرف سے ہے۔ انہوں نے پوچھا بتاؤ میری دواؤں کا اثر۔ میں نے سفید جھوٹ سے کام لے کر کہا سرکار دواؤں نے تو جادو کا اثر کیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کبھی اختلاج تھا ہی نہیں...... یہ سنتے ہی ان کے چہرے اور ان کے تمام بدن میں خوشی اور مفاخرت کی لہر دوڑ گئی اور چوب دار کو حکم دیا کہ فلاں فلاں طبیباں اور ڈاکٹراں کو فوراً حاضر کر دے۔ جب تمام "نامی" طبیباں اور ڈاکٹر حاضر ہو کر نذریں پیش کر چکے تو انہوں نے حکم دیا کہ تمام "طبیباں" میرے داہنے طرف اور تمام "ڈاکٹراں" میرے بائیں جانب صفیں باندھ کر کھڑے ہو جائیں اور جب حکم کی تعمیل ہو گئی تو کوتوال شہر وکلا مار اریڈی کو ان صفوں کے درمیان "مرج البحرین" کے طور پر کھڑا کر دیا گیا۔ اور میں عین اس وقت جب کہ حکیم، ڈاکٹران کی طرف اس امید کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ آج ہم سب پر کوئی نہ کوئی نوازش ضرور کی جائے گی۔ نظام نے کڑک کر ان سے کہا "دیکھو یہ جوش ملیح آبادی تمہارے سامنے کھڑے ہوئے ہیں یہ بیچارے اپنی بیگم کے علاج میں پندرہ بیس ہزار روپیہ تم بے ایمان

مسخرا کو چنا چکے ہیں لیکن تم انہیں تندرست نہیں کر سکے میں نے دو دوائیں دیں اور بیس دن کے اندر ان کی بیوی کا مرض غائب ہو گیا۔ اب اے سالو اگر تم میرے سامنے حذاقت کا دعویٰ کرو گے تو میں تمہاری...... گا اور فقط یہی نہیں میں تم سب کی...... ریل چلا دوں گا اور اس ریل میں بیٹھ کر دھکا دھک کرتا ممناڑ تک چلا جاؤں گا۔

اپنے آقا سے یہ فحش الفاظ سن کر ان سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ان کے گل مچھے لانبی داڑھیاں ہوا میں پھڑ پھڑانے لگیں۔ ڈاکٹروں کی موچھوں کی کھڑی چونچوں پر بھیروں ناچنے لگا۔ ذلت کے کوے ان کے سروں پر قاؤں قاؤں کرنے لگے اور ان جھکی پلکوں کے نیچے لال لال منہ کے بندر جست وخیز کرتے نظر آنے لگے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی بہت بھاری پتھر کسی پہاڑی سے ٹوٹ کر دریا میں آ گرا ہے اور ساکن موجوں میں یکا یک بونچھال آ گیا ہے۔ میں نے بڑی عبرت کے ساتھ دیکھا کہ ان کے معزز ارباب فن کی پنڈلیاں کانپ رہی ہیں ان کی گردنیں پتلی ہو کر ان کے سروں کا وزن اٹھانے سے انکار کر رہی ہیں۔ ان کی آنکھیں بجھ گئی ہیں ان کا جذبہ غیرت منہ پیٹ رہا ہے ان کی ناکیں سرخ ہو ہو کر لانبی ہو چکی ہیں اور ان کی خودداری، ان کے رخساروں کی دونوں ابھری ہوئی ہڈیوں پر اکڑوں بیٹھی ہوئی لید کر رہی ہیں۔ ہائے انسان تیری مجبوریاں (اس وقت تو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ جب ان میں سے کسی نے بھی میری بیوی کا علاج نہیں کیا ہے تو پھر انہیں کیوں ذلیل کیا جا رہا ہے لیکن اب اس کی علت سمجھ میں آ رہی ہے کہ چوں کہ نظام اپنے کو تمام طبیبوں او رڈاکٹروں سے بہتر سمجھتے تھے اور ان کا دل اس بات پر کڑھا کرتا تھا کہ اگر میں مطلب کرتا تو جو دولت منصب شاہانہ کی مجبوری ہے) دارالترجمہ یہ مقام دفتر کم اور دارالتفریح زیادہ تھا ہم تمام لوگ (احسان احمد، علامہ عمادی، مولوی فدا علی، محمد ابراہیم، رشید احمد، میرزا لبیب، سخائی چنے پوری اور گاہ گاہ قاضی تلمذ حسین، مسعود علی محوی، علامہ طباطبائی اور مرزا محمد ہادی رسوا بھی شریک بزم ہو جایا کرتے تھے) روز ہاشمی صاحب فرید آباد کے کمرے میں جمع ہو کر گپیں اڑاتے اور شاعری کیا کرتے تھے۔ میں نے وہاں مترجم ادب انگریزی کی حیثیت سے تقریباً ڈیڑھ برس کام کیا اور جب علامہ علی حیدر صاحب طباطبائی کو پنشن مل گئی تو اکبر حیدری اور اس مسعود کے

علی الرغم نواب اکبر یار جنگ کے مخلصانہ مساعی کی بناء پر مجھے ترقی مل گئی۔ میرا عہدہ توڑ دیا گیا اور میں علامہ طباطبائی کی جگہ مشیر ادب کے عہدہ پر کام کرنے لگا۔ میری یہ بڑی ادبی نمک حرامی ہوگی کہ اگر میں اس امر کا اعتراف نہ کروں کہ شعبہ دارالترجمہ کی وابستگی نے مجھ کو بے حد علمی فائدہ پہنچایا اور خصوصیت کے ساتھ علامہ عمادی، علامہ طباطبائی اور میرزا محمد ہادی رسوا کے فیضان صحبت نے مجھ بے سواد آدمی کو میرے جہل پر مطلع کر کے مجھ کو ذوق مطالعہ پر مامور کر دیا اور صحت الفاظ و نجابت لہجہ کا جو پودا میرے باپ اور میری دادی نے میرے وجود کی سرزمین پر لگایا تھا اگر طباطبائی میرزا محمد ہادی اور عمادی کی مسلسل دس برس کی ہم نشینی کا مجھ کو موقعہ نہ ملتا تو وہ پودا کبھی شاداب اور بارآور نہ ہوتا۔

میرزا محمد ہادی صاحب میرے پڑوسی تھے میں دکن آ کر پھر ان سے پڑھنے لگا اور اس بار فارسی کے ساتھ ان سے انگریزی ادب اور فلسفے کا بھی باقاعدہ درس لینا شروع کر دیا ہر چند ۱۹۱۸ء میں شراب کے لطف سے آگاہ ہو چکا تھا اس لیے کبھی کبھی کسی دعوت میں پی لیتا تھا لیکن اپنی تنخواہ سے خرید کر کبھی نہیں پیتا تھا اور اسی وجہ سے مجھے یہ فرصت حاصل تھی کہ روز رات کے گیارہ بارہ بجے تک اردو فارسی، انگریزی ادب اور فلسفے کا بلاناغہ مطالعہ کیا کرتا...... ہائے کیوں کر بیان کروں کہ اس وقت میرا حیدرآباد کیا چیز تھا۔ ارزانی اور اس پر دولت کی فراوانی۔ ہر طرف چہل پہل تھی امراء کے دروازوں پر صبح و شام نوبت بجا کرتی تھی۔ آئے دن جلسے مجرے، دعوتیں اور مشاعرے ہوتے متوسلین تک غرق نشاط رہا کرتے تھے اور اسکاچ وسکی صرف آٹھ روپے میں ملتی اور پانی کی طرح بہائی جاتی تھی۔ وہاں کا علمی وادبی ماحول موسی اعتدال، مجلسی ابھار اور تہذیبی نکھار وہاں کی رامش ورنگ میں ڈوبی شامیں، پہاڑوں پر تھرکتی صبحیں، شبستانوں میں ناچتی، گاتی راتیں، بانہوں اور بوسوں کی سوغاتیں، یاران دلنشیں کی ترنگیں اٹھی جوانیوں کی امنگیں، باغ عامہ کی لچکتی ڈالیاں، عثمان ساگر کی گنگناتی متوالیاں، اونچی اونچی گاتیاں، بہکی بہکی مدھ ماتیاں، وہاں کے میلے ٹھیلے، پریوں کے ریلے، ہر چہرے پر رونق، ہر گوشے میں ہو حق بجتی گلیاں تھرکتی رنگ رلیاں، ساحلوں پر براتیں وہ خیمہ ہائے جشن کی سنہری قناتیں، وہ شاہ زادہ معظم جاہ کا دربار، گویا مصر کا بازار، وہ پریاں قطار اندر قطار،

وہ گردنوں کو پیچھے ریلتے ہوئے سینوں کے ابھار، وہ جھمکے وہ چمن ہار، وہ گیتوں کی ہلکی پھوار، وہ غزلوں کے گونجتے اشعار، وہ ابلتے انوار، وہ کھنکتے در و دیوار اور وہ چھلکتے شیشہ ہائے سرشار ہائے کن کن باتوں کا ذکر کروں، حافظے کا سر سفید ہو چکا ہے اور پرانی صحبتیں گلا چکی ہیں۔......

(یادوں کی برات صفحہ ۲۲۱)

## حضرت رسولؐ خدا حضرت علیؑ حضرت حسینؑ

اپنے موضوع کی جانب مڑ کر یہ عرض کر دینا بھی چاہتا ہوں کہ آج بھی میرے دل میں دنیا کے تمام بانیان مذاہب کا بے حد احترام ہے اور خصوصیت کے ساتھ قوت و حیات کے شاہکار محمدؐ عربی، حضرت علیؑ اور حضرت حسینؑ کا شیدائی اور ربانی عقائد سے آزاد ہو جانے کے باوجود میں ان متذکرہ بالا تینوں مقتدر ہستیوں کا دل سے پرستار ہوں۔ محمدؐ عربی آنحضرت کے بارے میں اکثر یہ سوچتا رہتا ہوں کہ عرب کی سی جہالت کی راجدھانی میں اور وہ بھی آج سے کچھ اوپر چودہ سو برس پیشتر ان کا پیدا ہو جانا اور کسی ایک متنفس کی شاگردی کیے بغیر، جہاں استاد کا مرتبہ حاصل کر لینا روزگار کا ایک ایسا معجزۂ عظیم ہے کہ انسانی تاریخ انگشت حیرت کو اپنے دانتوں کے نیچے سے آج کے دن تک نکال نہیں سکی ہے۔ وہ پیدائشی عالم اور پیدائشی مفکر اور نظری نہیں عملی فکر تھے۔ انہوں نے جاہلوں کے درمیان حقائق کو آشکار کر کے سقراط کے مانند زہر کا پیالہ نہیں پیا اور حقائق کو دل نشیں لباس پہنا کر چشمہ حیواں پر قبضہ کر لیا۔ اے غلاموں کو مقام فرزندی تک لانے والے، اے قاتلوں کو مسیحائی کے گر سکھانے والے، اے انگاروں میں پھول کھلانے والے، اے خوف و حزن کو علامت کفر بتانے والے اور اے رگ ہائے ذرات میں نظام شمسی کا لہو دوڑانے والے، اے وحشیوں کو بردباری، اے زلزلوں کو تمکین شعاری اور اے عزائم انسانی کو آفاق شکاری عطا کرنے والے، اے لاوارثوں کے وارث، اے بے آسراؤں کے سہارے، اے یتیموں کے باپ اور اے بیواؤں کے سہاگ، اے حرف ناشناس معلم، اے سفر نہ کردہ سیاح، اے فاقہ کش رزاق، اے خلق کی برہان عظیم، اے امی حکیم، اے خدیو اقلیم جبل المتین، اے اولاد آدم کی فتح مبین، اے ناموس ماہ و طین

اور حم اللعالمین، روح کائنات کا سجدہ تعظیمی قبول کر۔ محمدؐ کے بعد اب انکے نازش روزگار بھائی علیؑ کی طرف سے اپنی ٹوپی کو سنبھال کر نگاہ اٹھایئے...... ہزاروں ماہ و سال کے مسلسل تجربوں کے بعد یہ کلیہ قائم کیا گیا ہے کہ علم اور شجاعت یہ دو ایسے اضداد ہیں جو کبھی ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے۔ جس ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے وہ قلم کو اپنی انگلیوں کی گرفت میں نہیں لا سکتا اور جس ہاتھ میں قلم ہوتا ہے وہ تلوار نہیں اٹھا سکتا لیکن انسانی تاریخ میں علیؑ کا ہاتھ وہ تنہا جامع اضداد ہاتھ جو تلوار اور قلم دونوں کو مساوی روانی کے ساتھ چلا سکتا تھا۔ وہ ادیب، شاعر اور مفکر تھے اور اسی کے دوش بدوش عدیم سپاہی بھی۔

وہ صفحۂ قرطاس پر مجسم کلک گوہر بار اور میدان کارزار میں سراپا شمشیر آب دار تھے۔ وہ اس کی پروا نہیں کرتے تھے کہ موت ان پر گرے یا وہ موت پر ان دونوں کو وہ مساوی طور پر محبوب سمجھتے تھے اس لیے کہ ان کی نگاہوں نے موت کی پیشانی پر حیات ابدی کا جھومر دیکھ لیا تھا اس کے علاوہ ان ک وایک ایسی جواں بختی و برکت بھی حاصل تھی جس سے اس دور کا کوئی انسان بہرہ ور نہیں ہوا تھا اور جس نے ان کو اپنے تمام معاصرین پر وہ فوقیت بخش دی تھی جو آفتاب پر ذرات کو اصل ہے اور وہ فوقیت یہ تھی کہ انہوں نے جو چہرہ سب سے پہلے دیکھنے کی طرح دیکھا وہ محمدؐ کا چہرہ تھا اور انہوں نے جو آواز سب سے پہلے سننے کی طرح سنی وہ محمدؐ کی آواز تھی۔ محمدؐ نے ان کو گودوں میں پالا۔ اپنی شخصیت کے سانچے میں ڈھالا، اپنے سایہ میں پروان چڑھایا اور وہ ان کے وجود میں اس طرح جذب ہو گئے کہ علیؑ کو اپنے انفاس سے بوئے محمدؐ آنے لگی جس کا یہ نتیجہ نکلا علیؑ حق پر اس مضبوطی سے قائم ہو گئے کہ وہ حق کا جسم، حق کی جان، حق کا اعلان اور حق کی آواز بن گئے اور یہاں تک کہ حق کو علیؑ سے اور علیؑ کو حق سے پہچانا جاتا تھا اور چوں کہ بہر ان بہر نفس حق پر قائم رہنا ایک بہت بڑا خطرناک مرحلہ ہے اس لیے ان کی زندگی کبھی پنپ نہیں سکی، دنیا والے ان کی شدت حق پرستی کو برداشت نہیں کر سکے اور تو اور خود ان یک حقیقی بھائی ان کا ساتھ چھوڑ کر اس ایوان میں چلے گئے جہاں اسلام کے سر پر شاہی تاج رکھ دینے سے منصوبے تیار کیے جا رہے تھے۔ جہاں شہد میں اس نیت سے زہر ملایا جا رہا تھا کہ ارباحق کو موت کے گھاٹ اتار کر باطل کو تخت شاہی پر بٹھا دیا جائے۔ ...... علیؑ کی حق پرستی کی تاب نہ لا کر مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر نے منہ پھیر لیا تھا یہاں

تک کہ انہیں آ کر کار یہ کہنا پڑا تھا کہ دنیا نے مجھ کو ذلیل کر دیا، ذلیل کر دیا، ذلیل کر دیا اور اس قدر کہ میرا اور معاویہ کا تقابل کیا جانے لگا...... علیؑ کی زندگی اس کرۂ ارض کے تمام انسانوں کے مانند محرومی و ناکامی کے سوا انہیں کوئی چیز نہ دے سکی لیکن جب انہیں قتل کر دیا گیا تو ان کی موت نے ان کی قبر پر وہ چراغ عظمت جلا دیا جس سے ان کی زندگی کو محروم کر دیا گیا اس کے کامگار حریف اپنے تمام کروفر کے ساتھ وقت کے سمندر میں ڈوب چکے ہیں لیکن ان کی زندگی کی تمام ناکامیوں کے باوجود ان کا نام تاریخ انسانیت کی پیشانی پر آج تک دمک رہا ہے اور وہی لوگ جنھوں نے ان کی طرف سے منہ موڑ لیے تھے ان کی موت کے بعد جب کسی بلا میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو ''یا علیؑ'' کے نعرے لگانے لگتے ہیں۔

اے علیؑ شرافت انسانی تیرے ان دو اخلاقی معجزوں کو قیامت تک فراموش نہیں کر سکے گی کہ جب تیرے حریف نے تیرے منہ پر تھوک دیا تھا تو اس کی جاں بخشی فرمادی تھی اور موت کے وقت جب تیرے سامنے شربت کا پیالہ پیش کیا گیا تھا تو نے یہ کہا تھا کہ جب تک میرے قاتل کو شربت نہیں پلایا جائے گا میں نہیں پیوں گا۔ اے علیؑ، اے میدان جنگ کے سور مابظفر خواں، اے منبر امن کے شیریں سخن خطیب اے ایوان عدل کے دیدہ ور قاضی اے کشور سیف و قلم کے خدیو کج کلاہ اے نان جویں کی بے پناہ طاقت کے مظہر۔ اے زندگی کے معتوب، اے موت کے محبوب، اے علت و علل کے باب میں ''لاغفور'' ''لارحمٰن'' ''لاقیوم اور الاھو کی سی معنی خیز و خیال انگیز بات کہہ کر خاموش ہو جانے والے مفکر۔ سیف و قلم کا مجرا قبول کر......

اب دل تھام کر اٹھایئے علیؑ کے سورما بیٹے اور محمدؐ کے لہولہان نواسے حسینؑ کی جانب جو گریاں تاریخ کے سینے کا ناسور اور گزراں وقت کی پیشانی کا نور ہے۔ حسینؑ جس کے نظام انفاس کی اطمینان آمیز ہمواری کی زد پر میدان کربلا کی باد سموم کا دم ٹوٹ گیا تھا جس کے لبوں کی خشکی دیکھ کر فرات کی موجیں آب آب ہو کر رہ گئی تھیں اور جس کے چہرے کی شادابی کو دیکھ کر، کربلا کے تپتے سورج کے ماتھے سے پسینہ کی بوندیں ٹپکنے لگی تھیں۔ وہ حسینؑ جس نے اس ارادے سے کہ ایوان حق کے چراغاں پر کوئی آنچ نہ آ سکے۔ اپنے گھر کے تمام چراغوں کو بجھا دیا تھا...... اور ناموس انسانی بچانے کی خاطر جس نے فولاد کو پگھلا دینے والے عزم اور زلزلوں کی سانس اکھاڑ دینے والے ثبات کے ساتھ موت سے ٹکر لی تھی اور ایسی ٹکر

کہ موت کی پیشانی سے لہو کا فوارہ جاری ہو گیا تھا۔ حسینؑ ناتواں تھے۔ یزید توانا تھا قانون قدرت کے طابق ہونا یہ چاہیے تھا کہ یزید حسینؑ کو شکست دے کر حسینیت کا چراغ گل کر دیتا۔ لیکن ہوا یہ کہ قانون قدرت کے علی الرغم حسینؑ کی ناتوانی نے یزید کی توانائی کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا۔ اور اپنی مقتولیت کی ایک ضرب سے قاتل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ موت جس کے صرف تصور سے بڑے بڑے سادھوں کی پنڈلیاں کانپنے لگتی ہیں۔ وہ موت منہ کھولے جب حسینؑ کے سامنے آئی تو حسینؑ اس کو دیکھ کر ایسی حقارت کے ساتھ مسکرائے کہ خود موت کی نبضیں ساقط ہو کر رہ گئیں۔ سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ اس وقت بھی جب کہ تیروں کا موسلا دھار مینہ برس رہا تھا اور حسینؑ اپنے رفیقوں اور جگر گوشوں کی لاشیں میدان سے اٹھا اٹھا کر بار بار خیمے کی طرف جارہے تھے اور اس سے زیادہ حیرت یہ ہے کہ جب کہ ان کے تمام انصار و اقربا موت کی نیند سو چکے تھے اور ان کا قتل یقینی امر بن چکا تھا عین اس نازک ترین اور مہلک لمحہ میں بھی ان کے حواس بجا تھے اور ایک بہادر سپاہی کا حوصلہ مندانہ تبسم ان کے لبوں پر کھیل رہا تھا اور یہ دیکھ کر کہ ہیبت باطل سے حق کا چہرہ سفید ہو چلا ہے وہ اس پر سرخی دوڑانے کے لیے بڑے اطمینان کے ساتھ، اپنا خون روانہ کر رہے تھے صرف یہی نہیں کہ اس یقینی ہلاکت کے موقع پر ان کے حواس بجا تھے بلکہ تاریخ انسانی کی سب سے بڑی قربانی دے چکنے کے بعد بھی ان کے چہرے پر اس فخر و مباہات کی ایک ایسی معمولی دھاری بھی رونما نہیں ہوئی تھی اور ان کی زبان سے ایک ایسا آدھا لفظ بھی ادا نہیں ہوا تھا جس سے پتہ چلتا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اے اہل اسلام میں نے غیرت اسلام کے آفتاب کو ڈوبنے سے بچا کر تم پر احسان کیا ہے اور میں نے اپنے واسطے یہ حق خرید لیا ہے کہ تم مجھ کو ایثار کا دیوتا سمجھ کر میرے سامنے اپنی گردنیں جھکا لو...... اے حسینؑ، اے دریائے زہر سے آب حیات پینے والے، اے بھیرے ہوئے طوفان کو اپنے سفینے میں ڈبو دینے والے، اے حریم شہادت کے سب سے اونچے منارے، اے ہمت مردانہ کے اوتار اور اے اثبات و عزم کے پروردگار۔ ازل سے لے کر ابد تک انسانیت کا غلامانہ سلام قبول کر۔

(یادوں کی برات صفحہ ۳۲۴_۳۲۵)

# حصه نظم

## مرثیہ جوشؔ

نسیم امروہوی

شاعر آلِ محمدؑ مولانا نسیم امروہوی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ سلطان المدارس لکھنو سے صدر الافاضل تھے موصوف نے عمامہ عبا زیب تن نہیں کیا۔ تاحیات شیروانی اور ٹوپی میں ملبوس رہے پاکستان میں آپ کے مرثیے درخشندہ یادگار ہیں۔

ہم اس کتاب میں اس مسدس کو درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو شاعرِ آلِ محمدؑ حضرت نسیم امروہوی نے جوشؔ کی مجلس چہلم کے موقع پر پڑھا تھا جو ''کل پاکستان فروغ مرثیہ'' (کراچی) کے زیرِ اہتمام روز جمعہ ۲؍اپریل ۱۹۸۲ء امام بارگاہ رضویہ سوسائٹی کراچی میں منعقد ہوئی۔ اس کتابچے کے پیش لفظ میں نسیم امروہوی نے مسدس کی وجہ تصنیف اس طرح بیان کی ہے۔

**بسم اللہ ولہ' الحمد**

شاعر انقلاب جوشؔ ملیح آبادی مرحوم کے انتقال پر ملال کی خبر سننے کے بعد اگرچہ مجھے اس احساس کے تحت بہت صدمہ ہوا کہ آج ایک عظیم شاعر۔ اور محمدؐ و آل محمدؐ کے ایک عظیم ترین مداح و ذاکر، دنیا سے چل بسے، لیکن ان کی وفات حسرت آیات سے متعلق کچھ کہنے کا مطلق

ارادہ نہ تھا۔ اس لیے کہ میں اُن کے عقائد حقہ کی پختگی پر یقین واثق رکھنے کے باوجود بعض شرعی مسائل میں ان سے سخت اختلاف رکھتا تھا، بااین ہمہ دل اس قدر غمگین وملول تھا کہ الفاظ اس کیفیت کی مصوری نہیں کر سکتے۔ ایسے عالم میں اگر انسان کے دل کی بھڑاس نکل جائے تو فطرت کی تشنگی بجھ جاتی ہے، لیکن میرے لیے شریعت ظاہرہ کے شعار کی پابندی نظم یا نثر میں اپنے جذباتِ غم کے اظہار سے مانع تھی، کم وبیش ۴۸ گھنٹے اس کش مکش میں گزر گئے۔
یکا یک معلوم ہوا کہ علامہ رشید ترابی (طاب ثراہ) کے دولت کدے پر شب میں بعد نماز عشاء ایصالِ ثواب کی مجلس ہے، جس میں جناب منور عباس ایڈووکیٹ، مرحوم ہی کا مرثیہ پڑھیں گے، دو دن سے بارش تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہو رہی تھی۔ میں اسی عالم میں اپنے گھر سے چل کر علامہ مرحوم کے ہاں پہنچا اور مجلس میں شریک ہوا۔ وکیل صاحب موصوف نے مرحوم کا وہ مرثیہ پڑھا جس کا چہرہ "قلم" کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ میں نے بڑی توجہ سے پورا مرثیہ سنا اور کئی مقامات پر جوشؔ کی یاد میں دل بھر آیا اور آنسو بھی ٹپک پڑے۔ مجلس ختم ہوئی۔ گھر واپس آیا اور سو گیا۔
اذان سے کچھ پہلے خواب دیکھا کہ ایک وسیع وعریض ہال میں، جو آج سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، ایک مجلس منعقد ہوئی ہے۔ تمام ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ منبر کے سامنے کافی فاصلے پر کفش کن سے متصل کچھ عربی اور ایرانی لوگ بیٹھے ہیں۔ جن کے چہرے چاند کی طرح روشن ہیں۔ میں بھی انھیں کی ایک صف میں جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں جوشؔ آئے۔ ایک عرب نے مجھ سے کہا کہ یہ شاعر ہماری زبان نہیں جانتا، ہم بڑی دُور سے چل کر اس کا وہ مرثیہ سننے آئے ہیں جو "قلم" کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔ آپ اس سے کہیے کہ وہی مرثیہ پڑھے۔ میں نے ایک چٹ لکھ کر جوشؔ صاحب کے پاس بھیج دی۔ چنانچہ انھوں نے یہی مرثیہ پڑھا۔ دورانِ مجلس ایک عرب پانی سے لبریز پیالہ لے کر اٹھا۔ اور کنارے کنارے مجمع سے بچتا بچاتا منبر کے قریب پہنچا اور وہ پیالہ جوشؔ کی خدمت میں پیش کیا۔ جوشؔ نے خوب ڈگڈگا کر پانی پیا جیسے وہ کئی دن کے پیاسے ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس عرب کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ جوشؔ کا حلق سوکھ گیا ہے۔ ابھی پیالہ جوشؔ کے ہاتھ میں تھا اور

عرب منبر کے جلو میں، یکا یک برابر کی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی اور میری آنکھ کھل گئی۔ اسی وقت میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور سب سے پہلی فرصت میں یہ مرثیہ کہا جو ناظرین کے سامنے ہے۔

آخر میں اتنا اور لکھتا چلوں کہ اسلام میں آیات واضحہ اور احادیث صحیحہ سے یہ استنباط و استخراج ہوتا ہے کہ معرفت کا معیار وہ "عقائد" ہوتے ہیں جو حجت قاطعہ کی مدد سے سمجھنے کے بعد انسان کے دل و دماغ میں راسخ ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ وہ حق العباد سے ماخوذ نہ ہو۔ جوش نے اپنے عقائد "یادوں کی برات میں" تفصیل سے قلمبند کیے ہیں۔ جنھیں پڑھ کر ہر شخص یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ ایسے ہی خیالات کے انسان کو "مردِ مومن" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ بڑا کریم و رحیم اور غفار و غفور ہے۔ اس کی بارگاہ میں خصوصیت کے ساتھ ہر وہ شخص جس نے صدقِ دل سے اپنے قلم کے ذریعے انسانوں کی، مسائلِ دینی و دنیاوی میں رہنمائی کی ہو سب سے پہلے نجات کا مستحق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

نسیم امروہوی

یکم مارچ ۱۹۸۲ء

اب آپ کی خدمت میں یہ مسدس پیش کیا جاتا ہے۔

اے قلزمِ حیات! ترا جوش کیا ہوا
"ھو"، جس کی بت شکن تھی وہ مدہوش کیا ہوا
آہٹ سنے جو وقت کی، وہ گوش کیا ہوا
کیوں معبرِ سخن ہے یہ پوش؟ کیا ہوا
پھوٹے نصیب، جوش کا منکا جو ڈھل گیا
شعر و سخن کا آج جنازہ نکل گیا

رو آج اُس کی یاد میں اے چشمِ خوں فشاں
بزمِ سخن تھی جس کے تبسم سے گل ستاں

اب شعر میں، وہ لطفِ بیان و زباں کہاں
باقی ہے جسم، روحِ ادب ہوگئی رواں
پیکر میں نُطق و ہوش نہیں ہے تو کچھ نہیں
سب کچھ وہی ہے، جوشؔ نہیں ہے تو کچھ نہیں

کیا گرم جوشِ جادۂ مہر و وفا تھا جوشؔ!
دنیا میں اس صدی کی نمایاں صدا تھا جوشؔ
اب اس سے بڑھ کے کوئی کہے اور کیا تھا جوشؔ
دفتر نویسِ انجمنِ کربلا تھا جوشؔ
کوثر کا تھا خمیر جو اس کی سرشت میں
اس میکدے کی راہ سے پہنچا بہشت میں

وہ جوشؔ ۔ جو پیام برِ انقلاب تھا
وہ جوشؔ ۔ جو تصورِ حسن و شباب تھا
پوچھے اگر کوئی کہ چمن تھا؟ گلاب تھا؟
کافی ہے یہ جواب کہ بس لاجواب تھا
شعروں میں زلزلہ بھی تلاطم بھی، جوش بھی
بزمِ سخن میں جوش بھی تھا اور خروش بھی

وہ جوشؔ جس کا حُسنِ بیاں لاجواب تھا
پڑھوا دیا کلام کو کلمہ، کمال تھا
ممدوحِ اہلِ ذوق، تو مداحِ آلؑ تھا
ایک پیکرِ عظیم جمال و جلال تھا

راہِ عمل میں جب بھی ٹلا روک ٹوک پر
طرّے بھی پگڑیوں کے تھے ہوتی کی نوک پر

بذلہ طراز، شور نوا، نغمہ آفریں
دلدار، دل فریب، دل آرام، دل نشیں
ظاہر نیاز مند، تو باطن میں نازنیں
حسنِ بیاں جمیل، طریقِ بیاں حسیں
اندازہ داں ۔ مسائل غیب و حضور کا
گُل جس کی شاعری ہے قصیدہ شعور کا

الفاظ ۔ انقلاب کی پیہم سفارشیں
انفاس۔ فکر و عزم و عمل کی گزارشیں
بوڑھے جوان ہوں، وہ شبابی نگارشیں
لفظوں کی گھن گرج میں معانی کی بارشیں
طبعِ رواں میں تیز روی آبشار کی
جھنکار دشمنوں کے لیے ذوالفقار کی

اوجِ شرف پہ نفس، شرافت پسند تھا
سادہ لباسِ فقر میں شوکت پسند تھا
بدعت نہ تھی پسند پہ جدّت پسند تھا
وہ انقلاب میں بھی حقیقت پسند تھا

اِس کے لیے نہ تھا بجز و جور انقلاب
سمجھا گیا ہے کہہ کے ''حسینؑ اور انقلاب''

وہ مستیٔ کلام، وہ اندازِ گُل فروش
معنیٰ وہ شہد ریز، یہ الفاظ نا و نوش
فکر اُس کی نشہ پاش، تو لہجہ تمام ہوش
جوشِ حیات کا تھی نمونہ حیاتِ جوشؔ
جب یہ لکھا کہ اب ہیں ''فنا پر بقا حسینؑ''
الفاظ جھوم جھوم کے کہتے تھے ''یا حسینؑ''

گفتار میں، نسیمِ چمن کی نزاکتیں
اشعار میں، شمیمِ سُخن کی لطافتیں
اطوار میں، سَلف کے حشم کی جلالتیں
کردار میں، شکوہِ لُہو میں نجابتیں
دانندۂ رموزِ خیال و مقال تھا
اک اتحادِ قول و عمل کی مثال تھا

اردو زبان پر جو وہ رکھتا تھا اقتدار
کیا جانیں اُس کو، مجھ سے سوا، اہلِ روزگار
مدت تک، ''اُردو بورڈ'' میں ہم تھے رفیقِ کار
وہ بھی لغت نویس ، تو میں بھی لغت نگار
وہ بادشاہِ نظم تو اُردو کنیز تھی
اور یہ کنیز، جاں کے برابر عزیز تھی۔

نوکِ زباں، زبانِ معنی کی کل زُوَر
تیکن زباں، تعلّی بے مُدعا سے دُور
ایک ایک بال، بال کی بھی کھال پر عبور
لفظوں کا کبریا و خداوند، بے غرور
جاہل تنک اپنے جہل کو گردانتے نہیں
یہ ظرف اسی کا تھا کہ "یہ ہم جانتے نہیں"

مجھ سے یہ ایک مرتبہ پوچھا، بہ شد و مد
اک بات تو بتایئے اے بندہ احد
"انوسنا" کی شرح ہے کیا اور کیا سند
میں نے پڑھا جو شعر تو بولے کہ مستند
بے شک زباں پہ آپ کی گہری نگاہ ہے
یہ سب خلافِ حق نہیں، حتی گواہ ہے

"شاگردِ اوّلیں" ہے اسی کا جو اک ہلال
دی تربیت بہ شوق اسے روز و سال
اصلاحِ مرثیہ کا مگر جب اٹھا سوال
خط لکھ دیا مجھے "مرے بھائی اسے سنبھال"
مقصد یہ تھا، میں رَدّو بدل جانتا نہیں
پیتا ہوں بے دریغ، کبھی چھانتا نہیں

اے شاعرِ حیات! ترا ذہن بَرقِ طُور
جلوہ فگن ہے رُوحِ معانی کا جس میں نور

عہد آفریں تھا تیرا شعور آفریں شعور
الفاظ دست بستہ تھے حاضر ترے حضور

ہر شعر بے پناہ، فصاحت پناہ تھا
اقلیم لفظ و ملکِ معانی کا شاہ تھا

ہمت کی طرح فکر سرفراز و سربلند
سیرت کی طرح نطق، توانا و ارجمند
فن کے مجاہدے میں ظفریاب و فتحمند
دل انقلاب پیشہ، نظر ارتقا پسند

تیری جبیں تھی جلوۂ تابندۂ حیات
تیری نمود شعر نمائندۂ حیات

مربوط اس قدر تھا تری نظم کا نظام
بندش تھی سر جھکائے، تخیل تھا زیرِ دام
الفاظ کا ہجوم، معانی کا اژدہام
خیامؔ خیمہ زن ہو رباعی کا وہ قوام

غالبؔ کا رنگِ شوخ دہن چومنے لگے
حافظؔ کلام حفظ کرے، جھومنے لگے

گلدستۂ لطائفِ شعری تھی تیری ذات
ہر نقطۂ نظر سے اُبھرتے تھے سَو نکات
یکتا ہر اک قول، انوکھی ہر ایک بات
پیشِ نگاہ ہے تری یادوں کی اک برات

سہرا ہے تیرے سر سخن بے مثال کا
دولھا ہے تو عروس بیان و خیال کا

اک شمع معرفت، تری فکرِ منیر ہے
مولا کا مرثیہ ترا جنت پذیر ہے
جس کے قلم میں وسعتِ آفاق گیر ہے
بعد از انیس تو ہی ایک ایسا دبیر ہے
خلد آشیاں ہے، شاعر عظمت پناہ ہے
تو صاحب مقام ہے، منبر گواہ ہے

پستی، فراز، درد، خوشی، اِبتلا، بلا
گیتی، پہاڑ، عرش، فلک، لامکاں، خلا
مکہ، نجف، مدینہ، خراسان، کربلا
راہیں نکالتا ہوا، ہر راہ میں چلا
فن کی صراط، بال سے باریک راہ تھی
تیری نظر میں صورت تار نگاہ تھی

لمحہ، دقیقہ، وقت، زمانہ، زمیں، زمن
آتا تھا سب کی نبض شناسی کا تجھ کو فن
شاعر کو وہی کہتی ہے شاگرد ذوالمنن
الہام کا صحیفہ ہے گویا ترا سخن
کل خشک وتر تو آئے ہیں حق کی کتاب میں
یابس نہیں ہے، رطب ہے تیری کتاب میں

اس تیرہ زار جہل و جنوں میں ترا شعور
برق و جلال و شعلہ و حسن و جمال و نور
و طنطنہ کلام کا، جیسے صدائے صُور
دنیا کے اقتدار کا سر خم ترے حضور
شائستہ ذوق، شستہ و رُفتہ مذاق تھا
اربابِ طبل و دمدمہ کا طمطراق تھا

اک ترجمانِ معرکۂ کربلا ہے تُو
اک راز دانِ لشکرِ صبر و رضا ہے تُو
اک اعترافِ عظمتِ مہر و وفا ہے تُو
اک انکشافِ الفتِ آلِ عباؑ ہے تُو
جس شعر کو ولا کا جریدہ بنا دیا
عرفانِ کربلا کا قصیدہ بنا دیا

ہے تیرے مرثیے میں وہ شوکت وہ دُھوم دھام
رہ جائے اُڑ کے سطوتِ باطل کا نام تمام
تُو نے دیا ہے ذوقِ شہادت کا جو پیام
وہ اک صلائے عام ہے انسانیت کے نام
آہٹ ہے جس کے ذکر میں بدروحنین کی
دھڑکن ہے جس کی یاد میں قلبِ حسینؑ کی

وہ حرب و ضرب تیغ کی وہ جھنجھناہٹیں
حملے میں بولتے ہوئے میداں کی آہٹیں

بارانِ خوں کی چار طرف جھم جھماہٹیں
گھوڑوں میں جست و خیز کی وہ گدگداہٹیں
سب کی نظر میں معرکۂ جنگ پھر گیا
شرما کے رُوے ماہِ ورنگل پھر گیا

کیا ہے جو چند تنگ نظر ہیں ترے خلاف
دنیا کو آج ہے تری عظمت کا اعتراف
تجھ کو نہ تھا کسی بھی مخالف سے اختلاف
رندی کے باوجود تھے قلب و ضمیر صاف
ثابت قدم خلوص کے ہر امتحان میں
جامِ جہاں نُما تھا ترا دل جہان میں

تُو پیکرِ خلوص و وفا تھا جو مُو بہ مُو
ناصح سے بیش تھی اثر اندازِ گفتگو
بے جُبّہ و عمامہ جو خضرِ جہاں ہے تُو
جلتے ہیں تیری شعلہ بیانی سے شعلہ خُو
شکرِ خدا، جو خالقِ دستار ودلق ہے
تو حاسدِ جہاں نہیں۔ محسودِ خلق ہے

مرعوب ہیں کمال سے تیرے جو بے کمال
طوطی کے ہم زبان ہوں کیونکر، زباں ہے لال
لفظوں پہ تیرے حرف رکھیں، ان کی کیا مجال
تقطیعِ شعرِ جوشؔ ہو ان سے یہ ہے محال

آئے ہیں لے کے کفر کا حربہ تنے ہوئے
شاعر تھے کل، یہ آج ہیں مفتی بنے ہوئے

ارشاد ہے کہ جوشؔ مسلمان ہی نہ تھا
شرعِ نبیؐ میں "حُرمتِ میت" یہی ہے کیا
وہ ناخدائے شعر تھا کب منکرِ خدا
الزام، اتہام، خطا، کذب، افترا
بعضوں نے وہ بیان دیے ہیں غلط غلیظ
ساری فضائیں چیخ رہی ہیں کہ "الحفیظ"

اُس کے لیے گماں کریں کچھ بھی بدگماں
لیکن سخن ہے وحدتِ مطلق کا ترجماں
توحید دوستی کے منازل ہوے عیاں
جب مدحِ کربلا میں کیا اُس نے یہ بیاں
"تُو نے قصورِ ذوقِ بغاوت کو ڈھا دیا
اِلّا کے دَر پہ لا کو دوبارہ جُھکا دیا"

منبر پہ یہ سنو تو سہی کس کی ہے پکار
"اے آخری نبیؐ کے نواسے ترے نثار"
اس مصرعِ حسیں سے یہ مُضمَر ہے آشکار
رکھتا ہے جوشؔ "ختمِ نبوت" پہ اعتبار
اب یہ جو "اعتبار" ہے اس کا یہ قول ہے
الزامِ کفر حاسدوں کی اُول فُول ہے

قائل ہے گو وہ گردشِ لیل و نہار کا
مرکز مگر خدا ہے دلِ بے قرار کا
یہ قولِ حق، سخن ہے اُسی حق نگار کا
"عزمِ حسینؑ، عزم تھا پروردگار کا"

یہ بات جس خیال کی آئینہ دار ہے
پروردۂ تخیّلِ پروردگار ہے

اللہ! گمرہی کا ہدف ہو وہ حق شعار
جس کے دل و ضمیر میں آئے چشمِ اعتبار
راسخ ہے ذوالجلال مُسلّم ہے کردگار
جب تو کہا یہ یادِ شہادت بہ افتخار
"احکام ذوالجلال کی تعمیل ہوگئی
منشائے کردگار کی تکمیل ہوگئی"

ڈنکے بجائے حق کے، مگر اپنے رنگ میں
جیسے رجز پڑھے کوئی میدانِ جنگ میں
توحید جلوہ گر تھی ولا کی ترنگ میں
کہتا ہے صاف صاف یہ حق کی امنگ میں
"تیرے بیاں پہ غلغلہ اُٹھے درُود کا
یوں پیش کر ثبوت خدا کے وجود کا"

تر دامنی رہی تو مودت ہے اب گواہ
ہے غرقِ سلسبیل وہ سب دفترِ سیاہ

تاریخ مرگ جب تو ہوئی یہ، بہ عزو جاہ
"کوثر بہ کف ہے خلد میں اب جوش بے گناہ"

---

۱۹۸۲ء

ہاتف بھی کہہ رہا ہے۔ جو حق کا سروش ہے
"اب عارفینِ جنت اعلیٰ میں جوش ہے"

---

۱۴۰۲ھ

آیا جو شاعری کا یہ سورج، گہن میں آہ
زیرو زبر حروف ہوئے، لفظ بھی سیاہ
معنی نظر پڑے نہ زُند پہ جمی نگاہ
اب بینات تھے پے، تاریخ شمع راہ
دو مرتبہ گزر گئی کہتی ہوئی کرن
"بے جوشؔ، کلک جیسے ہے بے روشنی کرن"

---

۱۴۰۲=۲x۷۰۱

آئے تھے بزمِ نظم میں جب زُبرو بینات
صوفی منش تھا جوشؔ یہ کچھ چل رہی تھی بات
توثیق کو تھے جمع، لیے دفترِ صفات
ابدال و اولیا و کل اوتادِ کائنات
بڑھ کر کہا یہ ایک نے شاعر کے گوش میں
لکھ دے "لحد بھی اک ہے مقاماتِ جوشؔ میں"

---

۱۹۸۲+۱۹۸۱+۱

مرنے کے بعد کون تھا ہمدمِ فقط حروف
پیچھے چلے پھلانگ کے ہستی کا خط، حروف
تاریخ مرگ ڈھونڈتے تھے غم غلط حروف
چلا اٹھے یہ بیت کے سب بے نقط حروف
"اب جوشؔ پہ ہے فضل الم کا
رحمت رحیم کی تو کرم ہے کریم کا"
۱۹۸۲ء

اس غم سے اس قدر متاثر تھے اہلِ ہوش
تھا مادے کی فکر میں ہر فرد سخت کوش
مہمل حروف جب ہوئے تاریخ گوئے جوشؔ
تقطیع با نقط پہ ہوا خندہ زن سروش
بولے وہ حرف نقطے ہیں جن کی سرشت میں
"تربت میں جسم، جوشؔ وہاں اب بہشت میں"

دلشاد وہ اُدھر، رفقا سب اِدھر اُداس
کلک و دوات و کاغذ و نظر اُداس
ماحول و شہر و جادہ و دیوار و در اُداس
پردیس میں قضا، تو کراچی میں گھر اُداس
مدفن، وطن سے دور بنا بے نصیب کا
غربت میں چل بسا یہ ثنا خواں غریب کا

سب سر کھلے شریک جنازہ تھے سوگوار
بچے، عزیز، دوست، ادیبانِ غم گسار
غمگیں فراز و فیض، ظفر زار و بے قرار
محسوس تک نہ ہونے دیا غیر کا دیار
سب قدر داں تھے، خاک تک بے وفا نہ تھی
کوفہ نہ تھا، دمشق نہ تھا، کربلا نہ تھی

اے دفن کرنے والے عزیزانِ مقتدر
تم نے کرم کیا ہے مسافر کے حال پر
وہ بھی تھا اک غریب، جو زہراؑ کا تھا پسر
اُمت چلی گئی جسے بے گور چھوڑ کر
مجبور ظلم و جور تھی غم خواریٔ حسینؑ
فریاد از غریبی و بے یاریٔ حسینؑ

اسلام آباد! تجھ سے کراچی بہ چشمِ تر
کرتا ہے التماس کہ اے خاکِ دیدہ ور
سونپا ہے آج میں نے تجھے بے بہا گہر
دولت یہ ملک و قوم کی رکھنا سنبھال کر
دینا نہ میہمان کو صدمہ فشار کا
مداح ہے حسینؑ غریب الدیار کا

دل مطمئن ہے روضۂ شبیرؑ کی قسم
ہے تجھ سے حق شناس کا مہمان محترم
تیرے سپرد اس کا ہے سجاد اور حرم
یہ نام سن کے آنکھوں میں بھر آئے اشکِ غم

مہمان کربلا کا جو قائم مقام ہے
سجاد اس اسیر بلا کا، بھی نام ہے

اے عاشقِ حسینؑ کے فرزندِ بادب
غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے جو تجھ پہ اب
سجادِ نامور کی طرح جھیل بے تعب
تیرے بھی باپ اُن کے پدر کے تھے ہم لقب
شبیرؑ کے پسر کی طرح دل پہ جبر کر
شبیرؑ کی وفات پہ اب تو بھی صبر کر

یہ سوچ ہر قدم کہ وہ بیمارِ ناتواں
اُجڑے ہوئے غریبوں کا سالارِ کارواں
نیزے پہ جس کے باپ کا سر، ننگے سر ہے، ماں
کانٹوں پہ ہے دمشق کو پیدل رواں دواں
ذرّوں کے تن پہ زخم، سفر دھوپ چھانو میں
گردن میں طوق پہنے ہے، زنجیر پاؤں میں

بس اے نسیم دل پہ لگی ہے غضب کی چوٹ
جذباتِ غم ہیں یہ، نہ ملاوٹ نہ جن میں کھوٹ
اُن سے ہے اب خطاب جو ہیں سیم و زر کی پوٹ
اربابِ اقتدار خصوصاً کریں یہ نوٹ
موزوں ہو جسم قوم پہ ایسی قبا بنے
شایانِ شانِ جوشؔ اب اک مقبرا بنے

# مرثیہ جوشؔ

کنور مہندر سنگھ بیدیؔ

انجمن سادات امروہہ کے زیر اہتمام جوشؔ ملیح آبادی کی یاد میں بہت وسیع پیمانہ پر اپریل ۱۹۸۲ء انڈو پاک مشاعرہ اور مذاکرہ منعقد ہوا۔ بھارت سے کنور مہندر سنگھ بیدیؔ، جگن ناتھ آزاد، سردار جعفری، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، شاذ تمکنت صلاح الدین پرویز اور افتخار امام صدیقی نے شرکت کی تھی۔ مشاعرہ کا پنڈال ادیبوں شاعروں سے چھلک رہا تھا جناب جوشؔ کی عظمت مقبولیت اور جناب جوشؔ کے عظیم شاعر ہونے کا ثبوت فراہم کر رہا تھا۔ یہ نظم اسی یادگاری جلسے میں پڑھی گئی۔

ماجد عفی عنہ

کلک الم طراز ذرا دیکھ بھال کر　یہ سانحہ کا ذکر ہے اتنا خیال کر
سن تو بھی ہمنشیں یہ ذرا دل سنبھال کر　کاغذ پہ رکھ رہا ہوں کلیجہ نکال کر
پرواز کون کر گیا پر تولتا ہوا
خاموش ہوگیا ہے چمن بولتا ہوا

روندا ہوا یہ صحن گلستاں ہے ان دنوں　ہر برگ و بار دیدہ گریاں ہے ان دنوں
دامن ہے چاک، چاک گریباں ہے ان دنوں　ماتم زدہ یہ روح بہاراں ہے ان دنوں
تاریکیوں نے باغ کو گھیرا ہے کیا کریں
سورج ہے سر پہ اور اندھیرا ہے کیا کریں

وہ کجکلاہ محفل یاراں نہیں رہا　جان چمن وہ روح بہاراں نہیں رہا
پیر مغاں بادہ گساراں نہیں رہا　وہ شہر یار شہر نگاراں نہیں رہا
یوں اٹھ گیا کہ بزم میں اب زندگی نہیں
ہم دل جلا رہے ہیں مگر روشنی نہیں

میٹھے وہ بول بولنے والا چلا گیا موتی خرد کے رولنے والا چلا گیا
زلفوں کی پیچ کھولنے والا چلا گیا وہ بوئے گل کو تولنے والا چلا گیا
اس کا وہ طور اس کا سلیقہ کہاں سے لائیں
اس کا شعور اس کا طریقہ کہاں سے لائیں

وہ رزم میں تھا جو ہر شمشیر بے نیام وہ بزم میں تھا بادۂ حب وطن کا جام
خلوت میں خوش خیال تو جلوت میں خوش کلام آقا تھا سرکشوں کا، غریبوں کا وہ غلام
محبوب خاص و عام تھا جانِ وطن تھا وہ
اپنے جلو میں فرد نہیں انجمن تھا وہ

شبنم، شمیم، پھول کی پتی، رباب و چنگ فولاد، موم، جذبۂ ایثار، کوہ سنگ
اخلاص، علم، سادگی، قوسِ قزح کا رنگ کاشی کی صبح، شام اور موجِ آبِ رنگ
ان سب کے امتزاج سے پیدا ہوا تھا جوشؔ
کتنے حسیں افق سے ہویدا ہوا تھا جوشؔ

وہ جاہ وہ جلال وہ چہرہ وہ خال وخد ناخائف نتائج و انجام نیک و بد
علم و ہنر کا کوئی تعین نہ کوئی حد بونوں کے درمیان وہ مرد دراز قد
لاکھوں میں ایک فرد عجیب و غریب تھا
اس تہ نشیں کو اوجِ ثریا نصیب تھا

اب کس زبان سے شکوۂ جور خدا کریں آہ و بکاؤ نالہ و شون بپا کریں
کس در پہ جا کے چارۂ اہل وفا کریں دل کو جو اس کی یاد ستائے تو کیا کریں
صد حیف ناگہاں اجل آئی وطن سے دور
بلبل کی موت اور ہو وہ بھی چمن سے دور

صد حیف طعنہ زن ہیں غلامان خانہ زاد جن کے قصیدے آج بھی افرنگیوں کو یاد
احساسِ کمتری نے عنایت کیا عناد دیکھئے ستم ظریفی اہلِ حسد کی داد

زاغ و زغن بھی بولیاں اب بولنے لگے
شاہیں جو اڑ گیا ہے تو منہ کھولنے لگے

اے رب ذوالجلال اے داور اے کردگار تیری عنایتوں کا تعین نہ کچھ شمار
جب تک ترا کرم ہو میسر نہ ساز گار جز تیری ذات کس کو گناہوں سے ہے فرار

یا رب قبول کی کوئی خدمت نصیب کر
یا رب ہمارے جوشؔ کو جنت نصیب کر

(از "افکار" بیادِ جوشؔ صفحہ ۳۵۵)

# جوش کی یاد میں

جناب احسان دانش

صحرائے آب و گل میں وہ وجہ بہار تھا
قدرت کی انجمن کا حسیں شاہکار تھا
ہر شخص کانپتا تھا زباں کھولتے ہوئے
سب سے بلند اس کے ادب کا حصار تھا
اس میں نہ بغض تھا نہ تکبر نہ خود سری
دل اس کا ایک آئینہ بے غبار تھا
وہ تھا تو بے ثباتیِ دنیا کا رازدار
لیکن سکونِ مرگ کو وہ بیقرار تھا
دنیائے کشمکش پہ بھی چلتا تھا اس کا حکم
زخموں کی سلطنت کا وہی تاجدار تھا
اس نے بسائے لفظ و معانی کے شہر نو
اس پر ہی حسن شعر کا دار و مدار تھا
تھا انقلاب نو کا وہ حامی بصد خلوص
سرمایہ کا عدو تھا غریبی کا یار تھا
اس کے فقیہہ شہر بھی تھے معتقد کئی
رندان بادہ خوار میں وہ باوقار تھا
اس نے روش روش پہ اگائے کئی گلاب
وہ گلستان علم و ادب کی بہار تھا
لاہور میں بھی آ کے سجاتا تھا محفلیں
شورش کا ہم نشین تھا دانش کا یار تھا

# کشکولِ ماجد

## حصہ دوازدہم

ترتیب و پیشکش

ماجد عفی عنہ

# محترم جناب طاہر جرولی صاحب قبلہ کی مجلس کا اقتباس

جناب مولانا اشتیاق صاحب قبلہ الٰہ آبادی ہندوستان سے آئے ہوئے تھے میرے یہاں کی صبح وشام کی نشست میں کسی کسی روز تشریف فرما ہوتے تھے۔ ۲۷ راگست ۱۹۸۹ء ۱۴۳۰ ہجری صبح کی نشست میں مولانا سید قمرالحسن صاحب قبلہ مولانا شاہدی صاحب ،قبل مولانا سلمان حیدر صاحب قبلہ، جناب حیدر قزلباش صاحب ، جناب شریف صاحب، جناب سید ببر حسن صاحب کی موجودگی میں جناب مولانا اشتیاق صاحب قبلہ، جناب مولانا طاہر جرلی صاحب قبلہ کی ایک مجلس کا اقتباس سنا رہے تھے۔

جب حسینؑ نے والدۂ گرامی سے فرمایا کہ کل عید ہے ہمارے کپڑے نہیں سلے جناب سیدہؑ نے فرمایا کپڑے درزی کے یہاں ہیں۔ معصومہ صدیقہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے جملے نے حقیقت کا لباس پہنا رضوان کو حکم ہوا خیاط بن کر کپڑے دے آ رضوان خیاط بن کر در فاطمہ پر آئے اور آواز دی حسین کا خیاط کپڑے لے کر آیا ہے۔ کپڑے دے کر رضوان چلے گئے۔ کپڑے سفید تھے بچوں نے پوچھا کس رنگ کے کپڑے ہوں۔ جناب حسنؑ نے سبز رنگ پسند کیا، جناب حسینؑ نے سرخ رنگ پسند کیا سلسبیل کا پانی نہ سبز تھا نہ سرخ لیکن جب کپڑے ڈالے گئے پانی نے اپنی ہیئت تبدیل کی امام کی خواہش پر دونوں رنگ میں کپڑے رنگے ہوئے نکلے۔ جب حسنین پوشاک پہن چکے تو نانا سے کہنے لگے میری سواری کا اونٹ نہیں ہے رسولؐ نے کہا آؤ میرے کاندھے پر سوار ہو جاؤ۔ دونوں نواسوںؑ کو کاندھے پر سوار کیا۔ دو چار قدم چلے تو نواسوں نے کہا نانا مہار کہاں ہے رسولؐ نے اپنی زلفیں نواسوں کے ہاتھوں میں دیدیں اب اعتراض نہ کیجئے گا کہ آج امامتؑ کے ہاتھوں میں مہار نبوت ہے امامت جدھر موڑتی ہے نبوت مڑ جاتی ہے۔ دو چار قدم اور چلے تھے کہ نواسوں نے کہا نانا میرا اونٹ بولتا نہیں ہے رسول اللہؐ نے چھ مرتبہ العف العف کہا تھا کہ جبرئیل تشریف لائے اور کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ اب العف نہ کہیے گا خداوند عالم نے جہنم کے

سارے طبقے بجھا دیئے ہیں صرف ایک طبقہ رہ گیا ہے وہ امام حسینؑ کے دشمنوں کے لئے باقی رکھنا چاہتا ہے۔ پھر جناب طاہر صاحب نے فرمایا کہ آج کل ایک گروہ دعائے کمیل پر زور دے رہا ہے حدیث کساء کے لئے کہہ رہا ہے کہ مستند نہیں ہے جبکہ سنی اور شیعہ کے معتبر راویوں نے لکھا ہے وجہ سمجھتے ہیں حدیث کساء کی مخالفت کیوں ہے صرف اس لئے ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ کامیاب ہو گئے شیعوں کی کامیابی شاق ہے بس ٹکراؤ یہ ہے کہ رسولؐ فرما رہے ہیں کہ تم اور تمہارے شیعہ کامیاب اس گروہ کا کہنا یہ ہے کہ نہیں ابھی کامیابی ہوئی ابھی بارگاہ ایزدی میں کامیابی کے لئے گڑگڑاتے رہو۔ دعائے کمیل میں استغفار بخشائش کی دعا ہے لہٰذا دعائے کمیل کو حدیث کساء سے ٹکراؤ دو پھر تو بہکانے میں آ جائیں گے۔

## محترم جناب عبدالکریم مشتاق کی کتاب ''ادھر تم ادھر ہم'' صفحہ ۴۸

شیعیان اہلبیت حضرت علیؑ کو اللہ کا ولی، رسول کا وصی اور آپ کا خلیفہ بلا فصل اعتقاد رکھتے ہیں جناب امیرؑ کو امام معصومؑ اور منصوص من اللہ مانتے ہیں حضرت علیؑ بعد از رسولؐ تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔

شیعہ بمطابق ارشاد پیغمبر حضرت علیؑ کو علم و حکمت کے شہر کا دروازہ مانتے ہیں شیعہ کا اعتقاد ہے کہ محبت علی جزو ایمان ہے۔

شیعہ ہر اس شخص سے عداوت رکھتے ہیں جس نے حضرت علی ہے عداوت رکھی حدیث نبویؐ کے مطابق شیعہ بغض علی کو منافقت کی نشانی سمجھتے ہیں شیعہ کے نزدیک دشمن علی مومن نہیں ہو سکتا۔

قول رسولؐ کے مطابق جس نے علی کو گالی دی یا برا بھلا کہا اس نے رسولؐ کو گالی دی۔

شیعہ کا عقیدہ ہے جو علیؑ سے لڑا اس نے رسولؐ سے لڑائی کی

شیعہ علیؑ کو نفس رسولؐ مانتے ہیں۔

شیعہ ہر دشمن علی کو مستحق لعنت سمجھتے ہیں

شیعہ حضرت علیؑ کو امام المتقین مانتے ہیں اور ان کے گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا ارتکاب نہیں

ہو سکتا۔

شیعہ حدیث رسول کے مطابق ذکر علیؑ کو عبادت تسلیم کرتے ہیں۔

شیعہ حضرت علیؑ کو دین کا پیشوا حقیقی ہادی برحق وارث کتاب وسنت مانتے ہیں۔

شیعہ کی حضرت علیؑ سے محبت کا یہ عالم ہے ذکر علیؑ سے ان کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

شیعہ کی ہر محفل ومجلس کی زینت ذکر علیؑ ہے

شیعہ حضرت علیؑ کو محسن اعظم سمجھتے ہیں۔

## حضرت امام حسینؑ اور بیعت یزید کا مطالبہ

(علامہ عرفان حیدر عابدی اعلی اللہ مقامہ)

۲۳ اکتوبر ۱۹۹۰ء قصر مسیب رضویہ سوسائٹی میں علامہ عرفان حیدر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ مجلس سے خطاب کرتے ہوئے فرمارہے تھے کہ جب یزید کا پیغام عمر ابن سعد کو ملا کہ حسینؑ سے بیعت لو یا سر قلم کر کے بھیج دو عمر ابن سعد دشمن ہو کر حق بات کہنے پر مجبور ہو گیا۔ کہتا ہے کہ یزید بیعت کی بات کرتا ہے کیا یزید کو نہیں معلوم ہے کہ حسینؑ کے پہلو میں علیؑ کا دل ہے۔ بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا سر کٹ سکتا ہے لیکن حسینؑ ہرگز بیعت نہیں کریگے علیؑ کے فرزند میں علیؑ نے کسی کی بیعت نہیں کی اس لئے حسینؑ سے بیعت کا خیال دل سے نکال دے۔

اب یہ ملا مولوی جو کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے بیعت کر لی یہ تو عمر ابن سعد سے بھی گیا گزرا ہے اس کو ریال اور ڈالر نے مجبور کر دیا ہے کہ وہ کتاب کا ترجمہ کر دے یا اپنی طرف سے کہہ دے کہ علیؑ نے بیعت کر لی یہ مولوی بکا ہوا ہے اور عمر ابن سعد سے بدتر ہے۔ آپ کو دو طبقہ نظر آئے گا ایک وہ ہے جس کو معلوم نہیں ہے ایک طبقہ وہ ہے جس کو معلوم ہے جو جان اور سمجھ کر نہیں مانتا تو ان دونوں طبقوں کے لئے قرآن کھلے لفظوں میں حکم دیتا ہے کہ وہ جو نہیں جانتے وہ اہل ذکر سے پوچھیں نہ جاننا اتنا عظیم گناہ نہیں ان کو بتاؤ تاکہ وہ سمجھ جائیں اب وہ طبقہ جو جانتا ہے سمجھتا ہے پھر بھی نہیں مانتا اس کے لئے حکم ہے خلع ابناءنا وابناءکم اے رسولؐ یہ سب کچھ جانتے ہیں مانتے نہیں اب ان پر لعنت بھیجو یہ لعنت ہی کے قابل ہیں۔ ریاض

النظرہ میں ہے کہ جب تمام نبیوں سے اللہ نے میثاق لیا تو اس بات کے لئے عہد لیا کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور علیؑ ولی ہیں اہل سنت کی معتبر کتاب ریاض النظرہ میں صاف اور کھلے لفظوں میں ہے کہ رسولؐ کی رسالت اور علیؑ کی ولایت کا عہد لیا یہ دنیا والے کیا ہیں جب علیؑ کی ولایت کا عہد معصوم نبیوں سے لیا گیا۔ صلوۃ۔

## پتنگ بازی اور بیٹر بازی

ہر دور میں منفی سوچ رکھنے والے اپنی فکر کے مطابق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں ان پر کسی طرح کی پابندی نہ پہلے عائد کی گئی نہ اب عائد کی جا سکتی ہے ہر شخص آزاد ہے اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنی سوچ اپنی فکر اور اپنے خیالات کا اظہار کرے اب سننے والے فیصلہ کرینگے کہ اس کی سوچ اس کی فکر میں کتنا وزن ہے اس کے خیالات میں کتنی صداقت ہے اور اس کے خیالات قابل قبول ہیں بھی یا نہیں بسا اوقات کسی کے لئے بے بنیاد تہمت الزام تراشی کی جاتی ہے مثلاً بہادر شاہ ظفر کے لئے عیش عشرت جام و سبو رنگ رلیاں کی بے سروپا باتیں منسوب کر دی گئیں۔ جس شخص کی صبح نماز قضا نہ ہوئی ہو جس نے 100 سے زیادہ مرثیے کہوں ہوں اس کے متعلق بر بنائے معصیت من گھڑت الزامات کے انبار جمع کر دیئے خدا بھلا کرے پروفیسر ڈاکٹر منظر کاظمی صاحب کا جنھوں نے بہادر شاہ ظفر کی سوانح حیات لکھی ہے اور ان بے بنیاد اور بے سروپا اور من گھڑت کہانیوں کی اپنے مستحکم دلائل سے تردید کی ہے ایک پڑھے لکھے نے لکھ دیا کہ جوشؔ سب کچھ شاعر نہیں ہیں ایک ادیب دانشور شاعر نے تحریر فرمایا کہ جوشؔ انقلابی شاعر نہیں ہیں ایک احتجاجی شاعر ہیں کوئی کسی کی زبان کسی کے قلم پر پابندی نہیں لگا سکتا ہے یہ کہہ سکتا ہے کہ بلبل ہند سروجنی نائیڈو خواجہ حسن نظامی جواہر لعل نہرو اور ہندوستان کے چیدہ چیدہ صاحبان علم و ادب شعراء دانشور اور صاحبان عقل و فراست نے جناب موسیٰ کو شاعر انقلاب تسلیم کیا ہے اب اگر صرف ایک دو جوشؔ کو نہ شاعر سمجھیں نہ شاعر انقلاب گردانیں اس سے تو جوشؔ کی عظمت و حرمت کم نہ ہوگی ہاں البتہ عقیدتمندان جوشؔ کو صبر کے کڑوے گھونٹ پینا پڑیں گے۔ پروفیسر کلیم الدین نے "اردو شاعری پر ایک نظر" ایک تنقیدی کتاب لکھی اس میں تحریر کیا کہ نہ غالبؔ شاعر ہیں نہ میر تقی میرؔ شاعر ہیں نہ

ناسخ نہ سودا غرض کوئی شاعر نہیں ہے اگر کوئی شاعر ہے تو ان کے والد ماجد ڈاکٹر عظیم الدین ہیں اب صاحبان علم وادب ارباب فکر ونظر سے مجھ جیسے کم علم کا سوال ہے کہ ایسے شہ پاروں کو آپ علم وادب کی کتاب میں کس طرح جگہ دینگے۔ یہ ایک المیہ ہے جو تاریخ ادب میں خونچکاں سطریں ہونگی۔

اب موضوع پتنگ بازی اور بٹیر بازی پر چند سطریں ملاحظہ کیجئے۔

شاہان اودھ لئے کہا گیا کہ یہ لوگ پتنگ باز اور بٹیر باز تھے۔ انہیں نہیں ملعوم کہ پتنگ کی لڑائی میں پوری جنگ سے کمر، سینہ، گلا سر اور فقط کی پیچیں ہوتی تھیں ہر کس وناکس کو پتنگ کی پیچ پر عبور نہ تھا ماہر پتنگ باز کمر سینہ، گلا سینہ کو نشانہ بناتا تھا اسی طرح بٹیر کی جنگ ہے۔ میں ۱۹۸۱ء تک حیدری اکھارہ ہر اتوار کی صبح جاتا تھا اور وہاں بٹیر کی جنگ دیکھتا تھا اس پورے اکھارہ میں صرف میں شیروانی ٹوپی میں ملبوس ہوتا تھا۔ میں بٹیر کی جنگ کو بڑے غور سے دیکھتا تھا دیکھنے کی بات یہ تھی کہ جو بٹیر تیزی سے لاتیں چلاتا تھا وہ فاتح ہوتا تھا۔ فتح تیز لاتوں پر منحصر تھی میرے ایک عزیز مولانا سید محمد ہاشم صاحب فاضل شمس، مدرس مدرسہ اسلامیہ پٹنہ، ڈائریکٹر مرکز تعلیمات اسلامیہ، انچارج سندھ لائبریری، پیش امام عیدگاہ حیدرآباد مسلک اہل سنت پر تھے۔ میں اکثر اپنے کاروبار کے سلسلہ میں حیدرآباد جاتا تھا مولانا سے ملنے کبھی ان کے مکان واقع لطیف آباد چلا جاتا تھا کبھی لائبریری میں جا کر مل لیتا تھا ایک روز میں لائبریری ملنے گیا تو وہاں ان کے کمرہ میں دو صاحب بیٹھے تھے میں سلام کر کے بیٹھ گیا مولنا ہاشم صاحب نے مجھ سے کہا کہ میرے ایک کرم فرما جو شیعہ ہیں انہوں نے شیعہ محمد ایک کتاب لکھی ہے اور ان کا اصرار ہے کہ اس پر تقریظ لکھیں یا جد میں کیا لکھوں قرآن میں جہاں جہاں لفظ شیعہ ہے شیعہ خسارہ میں ہیں گمراہ ہیں جہنم میں جائینگے میں کیا تبصرہ لکھوں۔ میری اتنی علمی صلاحیت نہیں تھی کہ میں ان سے علمی بحث کروں بس میں نے بٹیر کی لات کو پیش نظر رکھ کر با آواز بلند کہا ہاشم ماموں آپ اپنی بات پر قائم رہینگے قرآن میں جہاں جہاں لفظ شیعہ ہے خسارہ میں گمراہی میں اور جہنم میں جائینگے اس بات پر آپ قائم رہینگے قرآن میں جہاں جہاں لفظ شیعہ ہے اب آپ بتائیں قرآن میں جہاں شیعہ ابراہم کا ذکر ہے اس شیعہ کے

بارے میں آپ کا کیا خیال ہے موسیٰ کا شیعہ جس نے طمانچہ مارا اس شیعہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے شیعہ ابراہم اور شیعہ موسیٰ کا ذکر قرآن میں ہے۔ اب میں انہیں بولنے نہیں دیتا یہ ہے بٹیر کی لات۔ میں نے کہا ہاشم ماموں سنئے ابھی حال کی بات ہے کہ مولانا ناصر بی ٹی بی کی عمر ۷۰ ۔ ۷۲ سال کی ہے ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ میں اہل سنت والجماعت سے ہوں لیکن میں تفضیلیہ ہوں پہلا خلیفہ حضرت علیؑ کو مانتا ہوں۔ ہاشم ماموں سنئے میرے پاس رسالہ موجود ہے مولانا طیب صاحب دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ اگر جرم کے کٹہرہ میں حضرت علیؑ اور حضرت معاویہ کھڑے کر دیئے جائیں تو دونوں رفرد جرم ایک جیسی عائد ہوگی۔ مولانا مودودی نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ غلط ہے حضرت علیؑ خلافت راسدہ میں ہیں۔ حضرت معاویہ خلافت راشدہ میں نہیں ہیں حفظ مراتب کا خیال جائز نہیں۔ یہ ہے بٹیر کی لات ہاشم ماموں گھبرائے چہرہ سرخ ہوگیا۔ ان دونوں حضرات میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کی تعلیم کتنی ہے میں نے کہا میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ ہاشم ماموں نے ان دونوں سے کہا ان کے پاس بھی وہی سند ہے جو میرے پاس ہے میں نے مدرسہ اسلامیہ شمش الہدیٰ سے فاضل تفسیر کی سند لی انہوں نے بھی مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ سے فاضل تفسیر کی سند لی ہے۔ میں نے کہا اس سند کے لحاظ سے جو صلاحیت استطاعت ہونی چاہیے وہ مجھ میں نہیں ہے اس لئے میں کسی سے نہیں کہتا کہ میں فاضل تفسیر ہوں۔ ہاشم ماموں نے ان دونوں کا تعارف کرایا۔ ایک انڈس گلاس فیکٹری کے مالک میں ایک پروفیسر ہیں۔ میں جب چلنے لگا تو میں نے کہا کہ ہاشم ماموں آپ جب بھی کراچی آئیں تو میرے پاس سارے رسالے ہیں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ میں کراچی کے لئے روانہ ہوگیا۔

# احسانات کے تذکرے

محسنوں کے تذکرے ہوتے رہینگے تا حیات
ذکر جو ماجد کی زباں ہے پھر کہاں بعدِ ممات

میں نے بحمد اللہ کشکول ماجد حصہ دوزادہم کو ترتیب دیا ہے۔ میرے کرم فرماؤں نے میری اتنی حوصلہ افزائی کی ہے کہ میں نے کسی طرح کی پریشانی، الجھن اور تھکاوٹ محسوس نہ کی میں نے کشکول حصہ اول سے حصہ دوازدہم تک اپنے محسنوں کا ذکر کیا ہے۔ اب زندگی کے دن گنتے چنے رہ گئے ہیں۔ عمر طبعی زیادہ سے زیادہ سو سال کی ہے میں ۸۲ میں قدم رکھ چکا ہوں۔ اس پر آشوب دور میں جس کو دیکھو جس سے گفتگو کرو ہر شخص زمانہ کا شکوہ کر رہا ہے خود غرضی، نفسا نفسی افراتفری کا گلہ کر رہا ہے میں رب العزت کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اس نے میرے لئے کتنے دلوں میں شفقت، رافت، ہمدردی کا جذبہ بھر دیا ہے کہ قدم قدم پر احسان کرنے والوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے میں احسان کا بدلہ احسان کے نہیں چکا سکتا میرے لئے وہ وسائل نہیں کہ ان احسانات کا شمہ برابر بدلہ ادا کرسکوں آپ ان احسانات کو سن کر خود فیصلہ کریں کہ میں احسان کا بدلہ ادا کرسکتا ہوں کیا میرے بس کی بات ہے۔

میرے حقیقی برادر بزرگ جناب شاہد حسین مرحوم کی اہلیہ سیدہ انوری مرحومہ بنت سید حسن عسکری مرحوم ماہ ستمبر ۸ء میں گر گئیں پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی جناب سرجن شوکت رضا نے آپریشن کا مشورہ دیا جناب ڈاکٹر زاہد نے مریضہ کو دیکھ کر کہا اس عمر میں آپریشن مناسب نہیں چنانچہ سرجن شوکت رضا نے پلاسٹر سے کام لیا۔ سرجن شوکت رضا نے پلاسٹر اور گھر پر کئی مرتبہ آ کر مریضہ کو دیکھا اور فیس نہ لی میں نے بہت اصرار کیا لیکن فیس نہ لی۔

ڈاکٹر زاہد صاحب اور ڈاکٹر محمد رضا صاحب نے مریضہ کو گھر پر آ کر دیکھا لیکن فیس نہ لی جب مریضہ امام زین العابدین ہسپتال میں آئی سی یو میں تھیں شفیق و محترم سرجن ممتاز الدین حیدر نے کئی مرتبہ آ کر مریضہ کو دیکھا فیس نہ لی۔ جناب سرجن شوکت رضا کے پلاسٹر اور وزٹ کی فیس تقریباً دس بارہ ہزار ہوگی۔ بہرحال ان لوگوں کے لئے تا عمر ادا کرتا رہونگا

ان کے احسانات تاحیات مستعار بھول نہیں سکتا۔ قارئین خود فیصلہ کریں کہ ان احسانات کا بدلہ میں کیا دے سکتا ہوں اور کس طرح دے سکتا ہوں۔

## جناب عبدالرؤف سومرو

عبدالرؤف سومرو صاحب نواب شاہ کے رہنے والے ۱۹۴۹ء میں ہم لوگ ایک ساتھ ایک ہی دفتر میں کام کرتے رہے مجھ سے سینئر تھے انتہائی نیک ایماندار، شاکر حسین جنرل مینیجر ٹیلی فون کے دفتر میں آفس سپرنٹنڈنٹ تھے شاکر کی کارکردگی سے جنرل مینیجر بہت خوش تھے شاکر مرحوم نے ۳۷۴ کو ملازمت بلا تفریق مذہب دلوائی چنانچہ عبدالرؤف سومرو صاحب کے ایک بچہ کو ٹی اینڈ ٹی میں جاب دلوائی لیکن ۳۷۸ میں سومرو صاحب ہی تھے جو ہر وقت شاکر کے احسان کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ شاکر کے بارے میں سارا دفتر جانتا تھا کہ یہ بغیر تملق صرف مستحق کی سفارش کرتے ہیں بہر حال ۳۷۸ گھروں میں معاش کے چراغ روشن ہوئے۔

مجھ سے پہلے سومرو صاحب ریٹائر ہوئے میری ترقی ہوگئی میں اپریل اودھ کا منیجر ہوگیا لیکن میں نے منیجری قبول نہ کی اور سارے دفتر میں میری حماقت کے چرچے ہوئے۔

میرے ریٹائرمنٹ کے دو سال کے بعد ایک روز سومرو صاحب میرے یہاں پہنچے ایک سادہ کاغذ مانگا اور کہا کہ نیچے دستخط کردو میں نے دستخط کردیا وہ کاغذ لے کر چلے گئے دس پندرہ دنوں کے بعد مجھے ڈائریکٹر آفس اکاؤنٹس لاہور کی رجسٹری موصول ہوئی جس میں مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ تمہاری پنشن -/685 بڑھ گئی مجھے معاً خیال آیا کہ سومرو صاحب ایک کاغذ پر دستخط لے کر گئے تھے یہ کارنامہ انہیں کا ہوگا۔ عبدالرؤف سومرو صاحب کے ریٹائر کے بعد میرے حقیقی چچا کے چھوٹے صاحبزادہ سید وصی حیدر صاحب جو حبیب بینک میرٹ روڈ برانچ میں تھے وہاں ڈالرانک کے پراوپرائٹر آتے رہتے تھے ان سے تذکرہ کیا کہ ایک ریٹائرڈ گورنمنٹ ملازم بہت نیک ایماندار ہیں آپ کے یہاں کوئی جگہ ہو تو ان کو رکھ لیجئے انہوں نے کہا بھیج دیجئے وصی حیدر سلمہ نے مجھے فون کیا کہ ڈالرانک کے مالک سے سومرو

صاحب کے لئے کہا تھا انہوں نے بلایا ہے میرا حوالہ دیں چنانچہ سومرو صاحب ملے انہوں نے ان کو فوراً جگہ دیدی لیکن ڈالر انک کے مالک دو تین کے بعد ہر ماہ پوچھتے تھے کہ آپ سے شیعہ سے کیسے "دوستی ہوئی آپ کی سفارش ایک شیعہ نے کی" بہر حال میں نے لاہور کی رجسٹری دکھلائی کہنے لگے میں جانتا تھا کہ تمہارے علم میں نہیں ہے نہ تم کبھی لکھو گے نہ تمہاری پنشن میں اضافہ ہوگا۔ ۲۰۰۸ء میں سومرو صاحب کا انتقال ہو گیا میں ان کے خلوص اور ملنے جلنے کا انداز کو بھول نہیں سکتا بڑے مخلص تھے۔

## جناب محمود احمد جعفری مرحوم

جب محمود احمد جعفری صاحب مرحوم شاہ کربلا ٹرسٹ کے ٹرسٹی تھے اور جناب سید اختر زیدی کسٹم کلکٹر مینجنگ ٹرسٹی تھے اس وقت یحییٰ خان کے مارشل لاء کا زمانہ تھا ہر آنے والا کچھ اصلاحات چاہتا ہے چنانچہ اس وقت سرسید گرلز کی دیوار سے متصل پانی کے نل لگے ہوئے تھے ان نلوں سے مشک والے اپنے مشکیزہ سے عثمانیہ اور رضویہ میں ان گھروں میں پانی پہنچاتے تھے جن گھروں میں پانی کے پائپ نہیں تھے یک بیک ان نلوں کو ختم کر دیا گیا ؟؟؟؟؟؟؟؟ ایسی آئی کہ عثمانیہ اور رضویہ میں چیخ و پکار مچ گئی۔ دو تین گھروں کے پریشان حال لوگ غریب خانہ پر آئے اور کہنے لگے کہ امام بارگاہ میں وافر پانی ہے جب تک ہم لوگ جلد از جلد متبادل صورت نہ نکال لیں اس وقت تک ہم لوگوں کو اجازت دی جائے کہ امام بارگاہ سے پانی لے کر اپنی ضرورت پوری کریں۔ میں نے ان کی ترجمانی اس طرح کی کہ ایک خط مینجنگ ٹرسٹی کو لکھا اس میں ان لوگوں کی پریشانی اور امام بارگاہ سے پانی لینے کی اجازت چاہی۔ مینجنگ ٹرسٹی نے ٹرسٹیوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے گشتی مراسلہ روانہ کیا اور میٹنگ کا وقت لکھا۔ مینجنگ ٹرسٹی نے مجھے بھی لکھا کہ اس میٹنگ میں شرکت کروں چنانچہ میں پہنچا اور میں نے مینجنگ ٹرسٹی سے پوچھا کہ آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے فرمانے لگے کہ تجویز آپ کی طرف سے آئی ہے ٹرسٹیوں کا فیصلہ آپ کے سامنے ہوگا ابھی مجھ سے یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ محمود احمد جعفری صاحب آگئے اور مجھے مخاطب کر کے کہا کہ گشتی مراسلہ دیکھا اور

ماجد صاحب بڑے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ شیعوں کی بستی میں سید پیاسے ہیں اور ٹرسٹیوں سے مشورے کئے جا رہے ہیں کہ پانی دیا جائے پانی فوراً دیا جائے محمود جعفری صاحب کے اس انداز گفتگو کے بعد کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ کچھ کہہ سکے دو ٹرسٹی اٹھ کر چلے گئے جناب ظل حسن صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ پانی دینے کا طریقہ کار کیا ہوگا میں نے کہا جن گھروں میں جتنے مشک کی ضرورت ہے اس کے لئے دفتر سے کوپن دیا جائیگا تا کہ شک والے زیادہ پانی نہ لے جائیں ظل حسن صاحب نے مجھ سے پوچھا الکٹرک کا کیا ہوگا میں نے کہا جو مشک والوں کو -/300 روپے دینگے وہ آپ کو بھی =/50 روپے دینگے۔ میں محمود جعفری کو یاد رکھتا ہوں انہوں نے برادری پارٹی کی پرواہ نہ کی اور حق بات کہی اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے۔

## جناب سید محمد کاظم ڈپٹی ڈائریکٹر لیبر کراچی

میں دو تین سطروں میں یہ بتا دوں کہ میں رضویہ سوسائٹی میں کاظم صاحب کے والد مرحوم جناب سید محمد اکبر ایڈووکیٹ کے حسن سلوک اور بے پناہ شفقت درانت کی وجہ سے سکونت پذیر ہوا مرحوم کے احسان کا تزکرہ تفصیل سے کشکول ماجد حصہ اول میں کہہ چکا ہوں۔ کاظم صاحب نے اپنے والد کے انتقال کے بعد میرے ساتھ وہی سلوک باقی رکھا ۸ء کی بات ہے کہ ایک روز میں نے آٹھ دس معزز ین کو رات کے کھانے پر مدعو کیا کھانے کی ساری ذمہ داری میرے بھانجے عاشق حسین سلمہ کی اہلیہ پر تھی یک بیک صبح کو ان کی طبیعت ایسی خراب ہوئی کہ مل پارک ہسپتال جو پی آئی کے پینل پر تھا وہاں لے جانا پڑا وہاں ان کے معالج نے دیکھتے ہی کہا کہ مریضہ کو تین چار دن کے لئے ہسپتال میں داخل کر دیں۔ ہم لوگ بے حد پریشان ہوئے مریضہ کو ہسپتال میں داخل کرنا پڑا۔ ۴ بجے دن کو کاظم صاحب پہنچے ہم نے ان سے یہ پریشانی بیان کی کہنے لگے آپ بالکل پریشان نہ ہوں کھانا وقت آ جائے گا چنانچہ وقت مقررہ سے آدھ گھنٹہ قبل کاظم صاحب اور ان کے بچوں نے سارا کھانا بڑی نفاست اور اہتمام سے میرے یہاں پہنچا دیا اس احسان کو کبھی بھول نہیں سکتا خواتین کی

میزبانی کے لئے میں نے اپنے نواسہ سید کاظم رضا سلمہ اہلیہ کو زحمت دی میری ساری پریشانی دور ہوگئی اور معزز مہمانان گرامی کی تواضع میں کوئی کمی نہ ہوئی میں کاظم صاحب کے اس احسان کو تاحیات مستعار بھلا نہیں سکتا۔

## جناب سردار اختر علی بلوچ

مجھے جناب سید محمد واصل رضوی ٹرسٹی شاہ کربلا ٹرسٹ نے جناب سردار اختر علی بلوچ سے ملایا۔ میں پہلی ملاقات میں آپ کے حسن اخلاق، گفتگو میں مٹھاس نرم خو سخن فہم وسخن سنج علماء ادباء شعراء کے قدرداں سے مل کر بے حد متاثر ہوا سرزمین سندھ امن وآشتی دوستی اور بھائی چارہ امن سکون کا گہوارہ ہے اور اختر علی بلوچ کا اسی سرزمین سے تعلق ہے لہٰذا آپ میں ساری خوبی اسی دھرتی کی بدولت ہے۔ آپ محافل کی صدارت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں۔ آپ میں بہت سی خوبیاں ہیں ان خوبیوں میں حسن اخلاق نمایاں ہے یہاں پر آنحضرتؐ کے ایک فرمان کو پیش کر رہا ہوں۔ ایک روز رسول اکرمؐ اپنے چند صحابیوں کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے سامنے سے کچھ صحابی آئے اور رسول اللہؐ سے سوال کیا رسول اللہؐ دین کیا ہے آپ نے فرمایا حسن اخلاق دو چار قدم تشریف لے گئے تھے کہ داہنی جانب سے کچھ صحابی پہنچے اور سوال کیا کہا یا رسول اللہؐ دین کیا ہے فرمایا حسن اخلاق اسی طرح ہر سمت سے صحابی پہنچے اور یہی سوال کیا اور آپؐ نے سبھوں کو یہی جواب دیا۔ اس سوال کے جواب میں پورا دین حسن سلوک ہے اس حسن اخلاق، میں ایک نصیحت ہے اگر حسن اخلاق پر سب کاربند ہوں تو نہ قتل وغارت گری ہو نہ فتنہ وفساد برپا ہو آدمی آدمی کو ذبح کر رہا ہے ایسی بربریت کہ رونگھٹے کھڑے ہوجائیں کاش دنیا کے سارے انسان رحمت اللعالمینؐ کے صرف ایک فرمان پر عمل پیرا ہوں تو یہ دنیا امن وسکون کا گہوارہ ہوجائے میں سردار اختر علی بلوچ کے حسن اخلاق سے بے حد متاثر ہوں۔ اختر علی بلوچ اپنی ثقافت اپنی تہذیب اپنی خاندانی روایت پر قائم ہیں آپ کا احسان ہے کہ آپ مجھ بے بضاعت انسان سے ملنے تشریف لاتے ہیں۔ اللہ آپ کو خوش وخرم شادوآباد رکھے اور عزت وشہرت میں اضافہ فرمائے۔ آمین

آپ نے اپنے فرزند ارجمند کی شادی میں مجھے مدعو کیا دعوت نامہ کے لفافہ پر نفیس انداز سے میرا نام تحریر کیا میں ہرگز مستحق نہ تھا۔ پھر جس طرح پذیرائی کی اور جو عزت بخشی اس کے شکریہ کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ غرض موصوف میں بہت سی خوبیاں ہیں۔

## جناب محترم حسن صاحب

اس نومبر ۹ ء بروز اتوار میں ساڑھے تین بجے رضویہ فیز ۲ کے لئے گھر سے نکلا جناب تقی صاحب مرحوم میرے انتہائی عزیز ترین احباب میں سے تھے ان کی چہلم میں شرکت کرنی تھی لیاقت آباد میں ایک بس اسٹینڈ پر جناب علی غضنفر صاحب اسی ویگن پر سوار ہوئے صاحب سلامت ہوئی انہوں نے پوچھا کہاں جارہے ہیں ہم نے بتایا کہ حیدر عباس صاحب رضویہ سوسائٹی کے سکریٹری کے والد تقی صاحب مرحوم کی چہلم کی مجلس میں شرکت کے لئے جارہا ہوں نیپا پہنچ کر علی غضنفر صاحب نے میری رہنما کی وہاں سے دوسرے ویگن پر سوار ہوئے علی غضنفر صاحب نے راستہ بھر مجھے ان حقائق سے آگاہ کیا جن کا مجھے مطلق علم نہ تھا موجودہ انتظامیہ کی بدانتظامیوں کوتاہیوں کی متعدد مثالیں دیں مثلاً ہرے بھرے درختوں کٹوا دیا۔ مسجد کی تجوری غائب ہوگئی جس میں لاکھوں روپے تھے حیدر عباس صاحب کے ساتھیوں میں سے بعض نے ساتھ چھوڑ دیا۔ جب رضویہ پہنچے تو علی غضنفر صاحب نے ایک صاحب کو آواز دی اور کہا کہ ان کو اپنے اسکوٹر پر مسجد پہنچا کر آؤ ہم نے کہا کہ میں چلا جاؤنگا لیکن علی غضنفر صاحب نے اصرار کیا میں اسکوٹر پر بیٹھ گیا اور مسجد پہنچا ۴ بج کر ۱۰ منٹ ہوئے تھے ۵ حضرات قرآن کی تلاوت کررہے تھے میں نے ایک پارہ لیا اور تلاوت کی حدیث کساء کے بعد پروفیسر اکبر صاحب نے سوزخوانی کی تک مجمع کچھ نہ تھا جب حسن ظفر صاحب قبلہ زیب منبر ہوئے اور نصف مجلس پڑھ چکے تو پھر قابل ذکر مجمع ہوگیا مصائب خوب پڑھے بڑا گریہ ہوا مجلس کے بعد جعفر صاحب وغیرہ سے ملاقات ہوئی حسن صاحب نے بہت اصرار کیا کہ آپ کو میرے گھر چلنا ہے وہ جس خلوص اور جذبہ سے اصرار کررہے تھے مجھے مجبوراً ان کے ساتھ ان کے دولت کدہ پر جانا پڑا انہوں نے خاطر تواضع کی۔ وہاں قمر عباس صاحب آگئے وہ

حیدر عباس گروپ میں تھے انہوں نے موجودہ انتظامیہ کی بدنظمیوں کی بہت سی مثالیں دیں اور کہنے لگے میں ان گروپ سے اب علیحدہ ہو گیا ہوں مجھے یہ سن کر بے حد افسوس ہوا۔

حسن صاحب برسوں رضویہ سوسائٹی ای بلاک میں مقیم رہے اپنے خلاق اپنے سلوک کی وجہ سے بہت ہر دلعزیز رہے ابھی ابھی چند مہینے ہوئے کہ رضویہ ۲ میں اپنے مکان میں منتقل ہوئے ہیں۔ میں نے آپ کے صاحبزادہ شوزب سلمہ سے پوچھا کہ اب ان کی طبیعت لگ گئی ہے کہنے لگے ہاں لگ گئی پھر میں نے پوچھا کہ اسکول قریب ہے یا دور کہنے لگے آٹھ بجے گھر سے جاتا ہوں۔ ماشاء اللہ بڑی سنجیدگی اور متانت سے جواب دے رہے تھے والدین کی صحیح تعلیم وتربیت کا اندازہ ہوا خداوند عالم شوزب سلمہ زیور علم سے آراستہ کرے۔

حسن صاحب نے کہا آپ میری گاڑی پر بیٹھیں میں آپ کو رضویہ چھوڑ کر آؤنگا میں نے بہت منع کیا لیکن ان کے اصرار بڑھتا گیا مجبوراً مجھ کو بیٹھنا پڑا اور حسن صاحب نے مجھے رضویہ پہنچایا۔ راستہ بھر میں بڑا پریشان رہا کہ مجھے چھوڑنے رضویہ آئے۔ یہ بھی احسان تھا جو انھوں نے مجھ پر کیا۔

## سید بشیر رضا صاحب زادلطفہ، اور سید طاہر رضا صاحب مرحوم

جناب سید بشیر رضا ایف ۳۰ رضویہ سوسائٹی تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۸ء اپنے کنبہ کے ساتھ ممبئی پہنچے ممبئی سے پانی کے جہاز سے کراچی تشریف لائے۔ بسلسلۂ ملازمت بشیر صاحب لاہور چلے گئے ان کا پورا خاندان رضویہ سوسائٹی میں آباد ہوا ۱۹۶۳ء میں لاہور سے مستقل طور پر کراچی آگئے۔ میری ملاقات ۱۹۶۳ء میں ہوئی انتہائی نیک خلیق اور ملنسار پایا روابط اتنے ہوئے کہ موصوف اس وقت سے آج تک میرے کہنے سے رضویہ سوسائٹی کے الیکشن میں ووٹ ان کو دیتے ہیں جن کو میں کہتا ہوں آپ کا یہ احسان ہے کہ اپنی برادری کے دباؤ کے باوجود میرا کہا مانتے ہیں۔ روزانہ ۱۰ بجے کو جنگ اخبار لے کر میرے غربت کدہ پر تشریف لاتے ہیں دنیا کی خبروں پر تبصرہ کرتے ہیں مجھے دنیا اور ملکی سیاست سے باخبر رکھتے ہیں۔ دلچسپ گفتگو کرتے ہیں میرے یہاں کی نشست میں تشریف فرماتے ہیں۔

شبیر رضا صاحب کے حقیقی چھوٹے بھائی سید طاہر رضا صاحب مرحوم انتہائی شریف الطبع خلیق بڑی خوبیوں کے مالک تھے محافل و مجالس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے ڈائریکٹران کالجز سے منسلک تھے بہتیرے بچوں کے داخلہ کرانے انگنت لوگوں پر ان کے احسانات ہیں مجھ پر انہوں نے یہ احسان کیا کہ میری نواسی کے بچہ سید کامران مہدی سلمہ کے داخلہ کے لئے ہم لوگ پریشان تھے داخلہ کی تاریخ بھی گذر چکی تھی کہ میں نے طاہر رضا صاحب سے ذکر کیا موصوف نے اپنی جدو جہد اور کوششوں سے دہلی کالج میں داخلہ کرایا جس سے بحمد اللہ بچہ کی تعلیم مکمل ہوئی اس جذبہ سے اور خلوص سے جو بھی کام کرینگے ان کے نامہ اعمال میں نیکی لکھی جائیگی۔

نمازیوں کی طرف سے چہاردہ معصومینؑ ولادت و شہادت کی محافل و مجالس کا سارا انتظام کرتے تھے خطباء و شعراء سے وعدہ لینا ان کی آمد و رفت کی ذمہ داری اپنے سر لیتے تھے غرض سارے کام باحسن طرق انجام دیتے تھے۔

موت اس کی ہے کرے جس پر زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سب ہی آتے ہیں مرنے کے لئے

(ماجد عفی عنہ)

سید راشد علی بریلوی ابن سید الطاف علی بریلوی کی دعا ماجد کے لئے ۱۷ ر نومبر ۲۰۰۶ء ۱۰ بجے شب کو میں امام زین العابدینؑ ہسپتال کے آئی سی یو بیڈ نمبر 6 پر بے ہوش پڑا تھا تیسرے دن دوسرے بیڈ پر سید راشد علی بریلوی بعارضہ قلب داخل ہوئے۔ میرے دیکھنے کو صادق حسین سلمہ ابن مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ آئے ہوئے تھے میرے بیڈ کے قریب تھے کہ سید راشد علی بریلوی نے با آواز بلند دعا مانگی اے میرے اللہ تو مجھے اٹھا لے اور ماجد چچا کو شفا عطا کر صادق سلمہ نے یہ دعا اپنے کانوں سے سنی ڈیڑھ دو گھنٹہ کے بعد راشد علی بریلوی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اتنی جلد راشد علی بریلوی مرحوم کی دعا مستجاب ہو گئی۔

راشد علی بریلوی مرحوم بڑے خلوص سے ملتے تھے میرے ہی دروازہ سے روز گزرتے تھے کبھی کبھی ۵، ۱۰ منٹ بیٹھ جاتے بڑے خلوص و شفقت سے نسرین شاکر اور پروین شاکر

مرحومہ کے بچے سید مراد علی کی خیریت پوچھتے۔ بڑے مولائی تھے علم کی زیارت کرتے نذر و نیاز میں شرکت کرتے خصوصیت سے ۲۲ ر رجب کو میرے یہاں نذر میں شرکت بڑے ادب و احترام اور تعظیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے بڑی خوبیوں کے مالک تھے ماجد چچا کہہ کر مخاطب کرتے حج کی سعادت سے مشرف تھے متعدد بار عمرہ کو چلے تھے باغ و بہار انسان تھے۔ میری عیادت کے لئے علماء اعزا احباب تشریف لائے میں ان کا مشکور ہوں جناب عقیل مرزا سکریٹری ہسپتال کا بھی مشکور ہوں جنھوں نے خاص خیال رکھا اور اسٹاف کو ہدایت کی وہ کسی طرح کی تساہلی نہ کریں۔

## جناب سید عمران علی خان

سب سے پہلے سید عمران علی خاں کا مختصر تعارف کروا دوں تا کہ قارئین جلد اچھی طرح متعارف ہو جائیں سید عمران علی خاں، خان بہادر سید علی خاں مرحوم چیئرمین انکم ٹیکس ٹریبونل کے چیئرمین حکومت برطانیہ اور حکومت پاکستان کے خطاب یافتہ کے بڑے صاجزادہ سید فدا علی خاں ایم ایس سی بی اے ایل ایل بی انکم ٹیکس پرکمشنر کے چھوٹے صاجزادہ سید محمد علی خاں انجینئر کے چھوٹے صاجزادہ ہیں اس طرح خاں بہادر سید علی خاں کے پوتے ہیں اور دنیائے شیعیت کی معروف شخصیت سید علی اکبر رضوی صاحب مرحوم پاک کارپٹ کے نواسہ ہیں۔
ابھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں عمران صاحب انسان دوست کشادہ دل شگفتہ طبیعت، حسن اخلاق ذہانت ظرافت اللہ کی عطا کردہ صفتیں ہیں پھر انہوں نے ایسی فضا اور ایسے ماحول میں آنکھیں کھولیں جہاں ہر فرد تعلیم یافتہ خاندانی وجاہت، رکھ رکھاؤ میں اپنی مثال آپ۔
مورخہ ۱۴ ر اگست ۲۰۰۸ء کامران مہدی سلمہ کی برات میرینہ کلب سمندر کے کنارے پہنچی بارش ہوگئی تھی شامیانے کی ساری کرسیاں بھیگ چکی تھیں مولانا مشاق حسین شاہد صاحب قبلہ اور مولانا حسنین تقی صاحب قبلہ کو صیغۂ نکاح جاری کرنا تھا ہم لوگ ایک ساتھ ہی بیٹھے اتفاق سے سید عمران علی خاں بھی ہم لوگوں کے قریب ہی بیٹھے موصوف کے پرلطف جملوں اور اشاروں سے ہم لوگ محظوظ ہو رہے تھے ایک لطیف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے اس

تقریب میں جو لوگ عمامہ عبا، قبا، شیروانی پاجامہ، کُرتے اور شلوار میں ملبوس ہیں ان کی طرف کسی کی نگاہ نہیں اٹھتی لیکن جو بے چارے پینٹ شرٹ میں ہیں ان کے لئے یہ کرسیاں عذاب بن گئیں ان جملوں کے بعد سب کی نگاہیں اٹھ گئیں سرسری نظر دوڑانے کے بعد سب کے سب بے ساختہ ہنس پڑے بھیگی کرسیوں نے ان کا مذاق اڑایا۔ غرض ڈیڑھ دو گھنٹے وقت ایسا تمام ہوا کہ کچھ پتہ نہ چلا ان کی باغ و بہار شخصیت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ ۱۷ر جنوری ۲۰۱۰ء کو سید امداد علی خان کی مجلسِ چہلم باب العلم میں ۱۱ بجے دن کو تھی علامہ عباس کمیلی صاحب قبلہ مجلس سے خطاب فرمارہے تھے تقریر کے دوران علامہ نے منبر کے ارد گرد کچھ ایسے انداز سے نظر ڈالی جسے سید عمران خاں نے سمجھ لیا وہ اٹھے باہر گئے ایک گلاس میں پانی لے کر آئے اور علامہ کو پیش کیا مولانا نے پانی پیا اور تقریر جاری رکھی میں نے دل ہی دل میں عمران علی خاں کی ذہانت کی تعریف کی اور دعائیں دیں اللہ نظر بد سے بچائے اور ترقی عمر و اقبال عطا کرے۔ آمین

سید عمران علی خاں محب اہلبیت ہیں مجالس و محافل کی شرکت مشغلۂ حیات ہے۔ اس کم سنی میں مجالس و محافل نوحہ و ماتم میں شرکت دینی و اخروی فریضہ سمجھتے ہیں قابل قدر ہیں اور قابل ستائش۔

ماجد عفی عنہ

ای۔۴۳ کوچہ مرزا غالب رضویہ سوسائٹی

## تلاشی

۱۹۳۹ء میں جناب جوشؔ کی نظم ''ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے'' اور دوسری نظم شام ہوئی میں جب انگریزوں نے جناب جوشؔ کے مکان کی تلاشی تو لی تلاشی کے بعد جناب جوشؔ نے یہ نظم کہی جو نیا ادب اور کلیم میں پہلی بار چھپی۔

جس سے امیدوں میں بجلی آگ ارمانوں میں ہے
اے حکومت کیا وہ شئے ان میز کے خانوں میں ہے
بند پانی میں سفینہ کے رہی ہے کس لئے
تو مرے گھر کی تلاشی لے رہی ہے کس لئے
گھر میں درویشوں کے کیا رکھا ہوا ہے بدنہاد
آ مرے دل کی تلاشی لے کہ برآئے مراد
جس کے اندر دھمکیاں پرحول طوفانوں کی ہیں
لرزہ افگن آندھیاں تیرہ بیابانوں کی ہے
جس کے اندر ناگ ہے اے دشمن ہندوستاں
شیر جس میں ہو سکتے ہیں کوندتی ہیں بجلیاں
جس کے اندر آگ ہے دنیا پہ چھا جائے وہ آگ
نار دوزخ کو پسینہ جس سے آجائے وہ آگ
موت جس میں دیکھتی ہے منہ اس آئینہ کو دیکھ
میرے گھر کو دیکھتی ہے کیا مرے سینہ کو دیکھ

لے، وہ نجف کی سمت سے آنے لگی صدا
اے جوشؔ نکتہ سنج میری انجمن میں آ
آ، اور جھوم جھوم کے نغماتِ نو سنا
ساقی مرا سلامِ ادب لے کہ میں چلا

مولائے کائناتؑ اور آواز دے مجھے
اے جبرئیلؑ قوتِ پرواز دے مجھے

(جوشؔ)